

فی پرچہ ۸ آنے

سالانہ ۵ روپے

رجسٹرڈ حفیظہ نمبر ۱۲۰

جلد (۱) ترجمان القرآن ماہ رمضان المبارک ۱۳۵۱ ہجری نمبر (۳)

عالمگیر تحریک قرآن

عالمگیر تحریک قرآن

خــــالی صفحــــه

دنیائے قرآن

قرآن الاہمیہ اور قرآن والی انت

مجلس تحریک قرآن مجید کیطرف سے جو اعلان مندرجہ بالا عنوان کے تحت کتابچہ حیدرآباد کے دستخطوں سے شائع ہو رہا ہے ناظرین کرام اسکے عملی مہیا کی طرف خاص طور پر بہل توجہ فرمائیں تا کہ قرآن اور صرف قرآن کا غلغلہ مچ جائے اور ایک دفعہ پھر فضا قرآنی فضا ہو جائے کیونکہ بغیر اس کے ناممکن ہے کہ انسان انسان اور مسلمان مسلمان بن سکیں۔

گورنمنٹ نظام اور قرآن

مجلس تحریک قرآن مجید لک درسہ سکندر عالی کا ایک جلسہ جناب نواب سیف نواز جنگ بہادر سلطان الملک کی کوٹھی پر منعقد ہوا جس میں دیگر کارروائی کے ایک ذیلی کمیٹی کے ممبران کا انتخاب عمل میں آیا جو گورنمنٹ نظام میں باقاعدہ یہ تجویز پیش کرے گی کہ قرآن مجید کی تعلیم معنی کے ساتھ تمام طلباء کیلئے عام اور لازمی قرار پائے۔ وقت ہے کہ علماء کرام اپنی آواز بلند کریں اور اسکو عوام کا مطالبہ بنا دینے کیلئے ہر مقام پر عام جلسے کے انعقاد کی ضرورت ہے جیسا کہ مختصر تار میں درج ہے ہمیں امید ہے کہ ارکان سلطنت بھی اس کی ضرورت کا احساس فرماتے ہوئے دوسری اسلامی ریاستوں کیلئے قابل تقلید مثال قائم فرما دیں گے۔

جرائم کا انسداد جرائم سے

مسٹر ہوور کی زبردست شکست اور مسٹر روزویلٹ کی شاندار کامیابی کے اندر مسئلہ شراب نوشی کا مسئلہ نہایت اہمیت رکھتا ہے پھر اس پر طرہ یہ کہ عملی دنیا نے سب سے بڑا حصہ اسی میں لیا کہ مسٹر ہوور امریکہ کی کرسی پر مسٹر روزویلٹ متمکن ہوں جو انسداد قانون شراب نوشی کے قدیم حامی ہیں اور مسٹر ہوور کو شکست فاش نصیب ہو جو اپنی رعایا کے اخلاق اور صحت کی درستگی کے خیال سے ام الخبائث کو قانوناً ممنوع قرار دے چکے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ انسداد شراب نوشی کے قوانین نے جرائم کے اعداد و شمار میں کثرت پیدا کر دی۔ بفرض محال اگر یہ سچ بھی ہے تو کیا اسکے لیے کوئی اور چارہ کار نہ تھا کہ جرائم کا انسداد جرائم سے کیا جائے۔ بات یہ ہے کہ انسانی قوانین تو ہمیشہ ناکام ہی رہیں گے یہ کام تو صرف حکومت الٰہی کے قیام اور آسمانی قوانین کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

کمسن لڑکیوں کی زبان پر قرآن

دو کمسن بچیاں جنکی عمر غالباً ۶ اور ۸ برس کی ہوگی اجمیر سے آگرہ آئی ہوئی ہیں مختلف امراء نے انکا ماہوار وظیفہ مقرر کر رکھا ہے اور مشاہیر نے ان کے ذہن اور حافظہ کی تعریفیں کی ہیں ان کے نانا مختلف مقامات سے قرآن مجید کی بعض سورتیں تلاوت فرماتے ہیں اور کہیں کہیں سے بیچ میں لقمہ دیئے جاتے ہیں جس کو چھوٹی بچی ادا کرتی یا بتاتی جاتی ہے خیال ہے کہ اگرچہ یہ بات مشق کے ہی ذریعہ سے ہو لیکن غیر معمولی ضرور ہے۔

قرآن والا مہینہ اور قرآن والی رات

(ماہِ رمضان المبارک)

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیٓ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ
ماہِ رمضان ہے جس میں قرآن بھیجا گیا ہے جو لوگوں کا رہنما ہے اور جس میں ہدایت اور امتیازِ حق و باطل
مِّنَ الْهُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ؕ
کے صاف صاف حکم ہیں۔ سو جو شخص تم میں سے یہ مہینہ پاوے تو ضرور اس کے روزے رکھے۔

ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا ہے کہ ابراہیمؑ کے صحیفے ۳ رمضان کو اور ایک روایت کے موافق یکم رمضان کو نازل ہوئے ہیں اور توراتِ موسیٰؑ پر ۶ رمضان کو نازل ہوئی ہے اور انجیل عیسیٰ علیہ السلام پر ۱۲ رمضان کو نازل ہوئی اور زبورِ داؤد علیہ السلام پر ۱۸ رمضان کو نازل ہوئی ہے اور قرآنِ پاک مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وصحابہٖ وسلم پر رمضان کی اخیر چھ راتوں میں نازل ہوا ہے۔

(لیلۃ القدر)

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِیْ لَیْلَةِ الْقَدْرِ ۚ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَیْلَةُ الْقَدْرِ ؕ لَیْلَةُ
بیشک ہم نے قرآن کو شبِ قدر میں اتارا ہے۔ اور آپ کو کچھ معلوم ہے کہ شبِ قدر کیسی چیز ہے شبِ قدر ہزار مہینوں
الْقَدْرِ ۙ خَیْرٌ مِّنْ اَلْفِ شَهْرٍ ؕ تَنَزَّلُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ فِیْهَا
سے بہتر ہے۔ اس رات میں فرشتے اور روح القدس اپنے پروردگار کے حکم سے ہر امرِ خیر کو لے کر
بِاِذْنِ رَبِّهِمْ ۚ مِنْ كُلِّ اَمْرٍ ۙۛ سَلٰمٌ ۛ هِیَ حَتّٰی مَطْلَعِ الْفَجْرِ ۧ
اترتے ہیں۔ سراپا سلام ہے وہ شب طلوعِ فجر تک رہتی ہے۔

جس طرح تمام مہینوں کی بزرگی ماہِ رمضان المبارک میں جمع ہوگئی ہے اسی طرح ساری راتوں کی فضیلت لیلۃ القدر میں سمٹ آئی ہے اور یہ کیوں کر نہ ہوتا کہ قرآن مجید میں تو تمامی خیر و برکات کا حامل اور جمیع کتب سماوی کی تعلیمات کا مجموعہ اور خلاصہ ہے قرآنِ مقدس کے نازل ہونے کی وجہ سے ماہِ رمضان المبارک کی یہ بزرگی کہ وہ سال کے ہر مہینہ کا امام اور روحانیت والا ہوا اور شبِ قدر کا یہ مرتبہ کہ وہ ہزار مہینوں سے بڑھ کر افضل قرار دی گئی اس لیے یہ بالکل بجا و درست ہوگا کہ

ماہِ رمضان المبارک کو قرآن کا مہینہ اور شبِ قدر کو قرآن کی رات کہا جائے

اور اس لاجواب عطیہ کی یادگار منانے اور اس بیش بہا نعمتِ الٰہی کی برکتوں کو تازہ رکھنے کیلئے ہر سال خاص کوششوں سے کام لیا جائے۔ بمشورے کے طور پر ذیل کی چند تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔

(۱) شبِ قدر میں فضائلِ قرآن پر وعظ ہوں اور قرآنِ مجید کے علم و عمل کی ضرورت جتائی جائے۔

(۲) اللہ بزرگ و برتر سے التجا کی جائے کہ وہ اقوامِ عالم کو اس ہدایت نامہ کی طرف متوجہ فرمادے۔

(۳) دعا مانگی جائے کہ مسلمانوں میں ایسے افراد پیدا ہو جائیں جو قرآن مجید کی تعلیم معنی و مطلب کے ساتھ عام اور لازمی کرنے کے لئے وقف ہوں۔

(۴) عام طور پر مسلمان قوانین قرآن کے نفاذ اور حکومتِ الٰہی کے قیام کے خواستگار ہوں۔

(۵) اللہ تعالیٰ عبدیت کی شان اور اپنی محبت سے دلوں کو معمور فرمائے۔

الملتمسین

(نواب) سیف نواز جنگ (بہادر)
(نواب) نذیر جنگ (بہادر)

(نواب) بہادر یار جنگ (بہادر)
(نواب) محمد یار جنگ (بہادر)

(مولانا) مناظر احسن (گیلانی)
ابو محمد مصلح

بسم اللہ الرحمن الرحیم

دنیا کے ہر گوشے میں انقلاب کی ضرورت

گزشتہ ماہ کے رسالہ میں انقلاب عظیم کی ضرورت پر مقالہ سپرد قلم کیا جا چکا ہے آج کی صحبت میں بتانا مقصود ہے کہ اس ضرورت کا احساس کیونکر ہو اور آنکھ کیونکر پیدا ہو جس سے نظر آ جائے کہ دنیا کے ہر گوشے میں انقلاب کی ضرورت ہے خواہ وہ یورپ ہو یا ایشیا، امریکہ ہو یا افریقہ۔

اگرچہ اعداد و شمار اور شواہد ایسے بھی پیش ہو سکتے ہیں جن سے ہر چیز واضح ہو جائے کہ عیبوں کے اندر نوع انسانی کی ظاہری و باطنی تباہ حالی اور اسکے اسباب کے ہزار ہا دفتر تیار کیے جا سکتے ہیں لیکن ان لوگوں کیلئے ہے جن کو قرآن سے دوری ہے اس کیلئے انکو دور جانے کی ضرورت نہیں جو قرآن پر یقین اور ایمان رکھتے ہوئے بھی سیدھے ہوئے ہیں اور انکی آنکھ کسی طرف بھٹکتی نہیں۔ قانون قدرت اور صحیح عقیدے کے مطابق یہ ہے کہ دنیا کی جملہ اقوام کی ہدایت کیلئے امت خیر یعنی قوم مسلم اور قرآن ہے اور قوم مسلم کی ہدایت کیلئے صرف قرآن اگرچہ یہ بھی ہے کہ براہ راست قرآن سے کوئی قوم سعید حسن ہدایت پا سکتی ہیں مگر عام طور پر قوم مسلم کے ذریعے ہی اقوام عالم کی ہدایت مقدر ہے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنہون عن المنکر

اسی نظریے کے مطابق چنانچہ ہمارا کام ہے اور اسی اصول مسلمہ کو لیکر ہم سب سے پہلے قرآن ہی کی طرف دنیا کی توجہ منعطف کراتے ہیں کیونکہ قرآن خود بھی اسکا دعویدار ہے اور وہ بطور چیلنج کے اپنے ماننے پر دنیا کو مجبور کرتا ہے۔ جب قرآن ہی لازم و ملزوم چیز ہے اور ہدایت و گمراہی اسکے اختیار اور ترک پر منحصر ہے تو سب سے پہلے یہ دیکھیں کہ اسکا علم عام ہے یا نہیں کیونکہ عمل سے پہلے علم ضروری ہے۔ اور یہ کون نہیں جانتا کہ آج دنیا میں سب سے زیادہ قرآن ہی غلط فہمیوں کا شکار ہے خوش عقیدگیوں میں گم ہے رسمیات میں مبتلا ہے اور مہجوری کی حالت میں ہے۔

قرآن کا ہر صفحہ سراپا عمل کا مطالبہ کرتا ہے لیکن خود مسلمان اسکو ننانوے فیصد عمر بھر میں ایک مرتبہ بھی شروع سے آخر تک نہ تو پڑھتے ہیں اور نہ پڑھوا کر سنتے ہیں۔ باقی دس میں سے نو تو بے معنی و مطلب کے پڑھنے ہی کو ثواب سمجھتے ہیں اور باقی ایک عالم بننے، وعظ کہنے، مناظرہ کرنے، مدرسی اور امامت کرنے اور مؤلف و مصنف وغیرہ بننے کیلئے پڑھتے ہیں۔ قرآن کا بننے کیلئے یعنی قرآن پر عمل کرنے کیلئے قرآن نہیں پڑھا جاتا اسلئے اسکا فائدہ بھی وہی حاصل ہوتا ہے جس کیلئے یہ پڑھا جاتا ہے اور وہ نہیں حاصل ہوتا جسکا در حقیقت قرآن مطالبہ کرتا ہے۔

علمائے کرام اب جو لوگ کہتے سنتے جاتے ہیں کہ قرآن ہے اور وہ قرآن ہی کا علم و عمل پھیلا رہے ہیں اسکا وعظ کہہ رہے ہیں تو ان سے پوچھنا چاہئے کہ حق پرست مخلوق کیوں ان میں حکومت الٰہی کا قیام کیوں نہیں ہوا۔ اسطرح مدعی قرآن کا یہ مطلب ہے کہ آفتاب بھی طلوع ہے اور رات کی تاریکی بھی باقی ہے۔

اس سلسلے میں سب سے پہلے قرآن مجید کا علم عام ہونا چاہئے تھا اور وہ بھی قرآن کے حکم کے مطابق قرآن کا بنکر قرآن کا بننے اور

بنانے کیلیئے اور نتیجہ کے طور پر قوانین قرآن کا نفاذ اور حکومت الٰہی کا قیام مسلمانوں کی زندگی کے مقصد سے پہلے علما کی زندگی کا مقصد قرار پانا چاہیئے تھا اور ظاہر ہے کہ یہی چیز مفقود ہے نہ علما یعنی خواص اس طرف متوجہ ہیں اور نہ عوام۔

سلاطین اسلام | علمائے کرام اسلام کے ریڑھ کی ہڈی ہیں اور یقیناً دل و دماغ کا حکم رکھتے ہیں۔ اسلئے سب سے پہلے انہیں کے متعلق کہا گیا اسکے بعد سلاطین اسلام کا نمبر ہے کیونکہ اولی الامر میں ان کا شمار ہے۔ ہماری نگاہیں جب اس تلاش میں مشرق و مغرب اور جنوب و شمال کے کسی حصہ میں حکومت الٰہی کا قیام نہیں دیکھتیں اور قوانین الٰہی کے نفاذ کا نظارہ نہیں کرتیں اور خلفائے راشدین کی پیروی میں کسی ایک کو بھی گامزن نہیں پاتی ہیں تو حسرت و ندامت سے سر جھک جاتا ہے اور کہنا پڑتا ہے کہ "ہائے قرآن تو کہاں" اور "ہائے اسلام تو کہاں"۔ علما اور سلاطین اسلام کے بعد درحقیقت در خور اعتنا کوئی جماعت نہیں، نئی روشنی کے رہنما مصنفین اور شعرا انجمن ساز اور اخبار و رسائل کے مدیرین وغیرہ معلوم نہیں کس صف میں رکھے جانیکے لائق ہیں۔ انکی تو خود ان کو خبر ہے اور نہ ہمیں معلوم اسلئے انکے متعلق کچھ کہنا وقت کا ضائع کرنا ہے۔

وعظ کہنا یا وعظ کا سننا، مدرسے قائم کرنا اور انہیں چندے دینا، مضامین لکھنا نظمیں شائع کرنا اور کتابوں کی تصنیف کرنا، نماز پڑھنا اور روزہ رکھنا، خیرات و زکوٰۃ میں حاتم وقت ہونا اور حج کر کے امام وقت بننا، درس دینا اور فتوے لکھنا، چہرے پر ڈاڑھی رکھنا اور اپنا نام مسلمانی رکھنا یہاں تک کہ ہائے قوم وائے قوم کا ہر مجلس میں وظیفہ پڑھنا یا یہ اسلام اور مسلمانوں کے نام پر جیل تک جانا آج کھیل بنا ہوا ہے اور عام طور پر مسلمان اسی کو سب کچھ سمجھے ہوئے ہیں حالانکہ درحقیقت مرض کا کامل علاج ان میں سے کوئی بھی نہیں کیونکہ قرآن کا علم عام کرنے اور اسکے ذریعے اسکی روشنی اسکے قوانین کے نافذ کرانے اور اللہ کی حکومت قائم کرانیکا عام طور پر ذکر اور خیال تک نہیں۔ قرآن کا علم ہی عام نہیں ہے لہذا اسکے حقیقی نتائج کی امید فضول ہے اس سلسلے میں علما سلاطین محکمہ تعلیمات، کالج و سکول مساجد اور گھروں کی چہار دیواری کو دیکھ لو اور معلوم کر لو کہ دوسری قسم کی تعلیم کیلیئے آج کیا کچھ نہیں ہو رہا ہے اور قرآن کیلیئے کیا باقی رہ گیا ہے۔ قرآن کہیں نہیں ہے یہاں تک کہ مسلمانوں میں بھی نہیں ہے اور اسکے لیے آفتاب کی طرح روشن ثبوت پیش کیا جا چکا ہے کہ مسلمان دنیا والوں کیلیئے اسوقت ہادی اور رہنما ہو سکتے تھے جبکہ قرآن والی قوم ہونے اور آج اسی سرچشمہ آب حیات کا منبع بند ہو گیا ہے سارے سوتے خشک پڑے ہیں اور باغ اسلام میں خزاں آ گئی ہے۔

قرآن نہیں ہے اسلئے مسلمان مسلمان باقی نہیں رہے ہیں اور مسلمان مسلمان باقی نہیں رہے ہیں اسلئے اقوام عالم گمراہی اور ضلالت کی تاریکی میں حیران و پریشان اور سرگرداں ہیں۔

جو کچھ کہا گیا جو کچھ کہا گیا اگر آپ کا بھی جی چاہتا ہے کہ اسکے قائل ہوں تو آئیے سب سے پہلے اپنے دل کی آنکھ پر قرآن مجید کی عینک لگائیے پھر حق بھی نظر آجائیگا اور باطل بھی اور یہ بھی کہ دنیا میں کیا ہو رہا ہے اور در حقیقت کیا ہونا چاہئے تھا۔ اور یہی وہ مقام ہے جہاں سے دنیا کے ہر گوشے میں انقلاب کی ضرورت محسوس ہوگی اور اگر ہمت اور توفیق کا کوئی حصہ ملا ہوگا تو سنت پیغمبری اور اگر یہی تڑپ پیدا ہوگی اور دنیا کو دوزخ کے کنارے کھڑا دیکھ کر بیتابانہ کمر میں ہاتھ دیکر بچانے کی بیتابی اور اضطراری کیفیت طاری ہوگی اور پھر یہی وہ مقام ہے جہاں علماء امتی کانبیاء بنی اسرائیل اور کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنہون عن المنکر کا منصب نصیب ہوگا۔ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ

میں نے کہا قرآن ایک عینک ہے جو دل کی آنکھ پر لگائی جاتی ہے جس سے ہر چیز کی حقیقت واضح ہو جاتی ہے یا ایک آئینہ ہے جس کے اندر اپنا اور اپنی قوم کا چہرہ کا حسن و قبح بھی معلوم ہو جاتا ہے اور اسکا بھی جس کے سامنے اس آئینہ کا رخ پھیر دیا جائے۔

یا قرآن ایک کسوٹی ہے جس پر کھوٹے کھرے حاکم و محکوم عبد و معبود دنیا دار و دیندار جنتی و دوزخی ہدایت و گمراہی اور صراط مستقیم وغیرہ وغیرہ صاف صاف معلوم ہو جاتے ہیں۔

یا پھر قرآن ایک ایسا جام جہاں نما ہے جسکے اندر دونوں جہاں کی ہر چیز موجود ہے اور کوئی انسانی ڈھکوسلا نہیں ہے اور عالم تخیل کی باتیں نہیں ہیں اور ایسا دعویٰ نہیں ہے جو خود اپنا آپ ثبوت نہ ہو۔ بلکہ جس کا جی چاہے قرآن مجید کو سامنے رکھ کر ہی چند دن بھی تعمق لگا کر یہ پائیگا کہ اپنے کو ایک دوسرے عالم میں پائیگا اور معاً اس پر ایک دوسری کیفیت طاری ہوگی اور آگے سامنے ایک ایسی روشنی ہوگی جس میں وہی نظر آئیگا جو اوپر بیان کیا گیا ہے لیکن ہم عالم کی ہنگامہ آرائیاں اور مسلمانوں کی زندگی کا تماشہ کرنا مقصود ہو تو قرآن کو قرآن کیلئے قرآن کا ہو کر قرآن کی روشنی میں پڑھنا چاہئے

الحمد للہ یہ ثابت ہو چکا ہے کہ مسلمانوں کی زندگی کے ہر شعبہ میں انقلاب کی ضرورت ہے تو لب ساتھ ہی یہ بھی ثابت ہو گیا کہ دنیا کے ہر گوشے میں انقلاب کی ضرورت ہے اور یہ اجمال ہی ایسا ہے جو ہر جگہ پر تفصیل کا کام دیتا ہے۔ لہٰذا اس آواز کو ہر طرف سے بلند ہونا چاہئے کہ "دنیا کے ہر گوشے میں انقلاب کی ضرورت ہے"

قرآن کا حسنِ بیان

(اور)

اس کی فصاحت و بلاغت

ظلمتِ کفر چہ کافور زِ قرآنِ منست

(مولوی عبداللہ خاں صاحب کامل حیدرآبادی)

ظلمتِ کفر چہ کافور زِ قرآنِ منست
مہرِ اسلام چہ پر نور زِ قرآنِ منست

سینۂ عاشقِ دلدادۂ اسرارِ خدا
تا ابدہا پر و معمور زِ قرآنِ منست

مطلعِ مہرِ کرامت اُلِ احسن باشد
کر رواں ذاکر و مذکور زِ قرآنِ منست

چہ بنا چہ عقبیٰ چہ زمین چہ زمان
جان و دلہا ہمہ مسرور زِ قرآنِ منست

ای خوشا دولتِ آن مردِ جوان بختِ دو کون
کہ دلش ناظر و منظور زِ قرآنِ منست

سرِ تسلیمِ جلالتِ علم افراخت کسے
کو کہ او ناظر و منظور زِ قرآنِ منست

دلِ ہر مردِ خدا گہ نہ ہدف کرد خطا
زانکہ او قادر و مقدور زِ قرآنِ منست

ہر کہ دارد زِ رسالت بسرِ خویش کلاہ
دست آویز بہ منشور زِ قرآنِ منست

ہمہ سابق ہمہ لاحق چہ نبی و چہ ولی
ہر یکی شاکر و مشکور زِ قرآنِ منست

دہنِ کامل خوش بخت زِ گلہای مراد
پر ازانست کہ ماجور زِ قرآنِ منست

تراجم کلام اللہ

(علامہ عبداللہ العمادی)

اسلام کی گیارہ صدیاں گزر گئیں، دنیا کی بیشتر قومیں توحید کی حلقہ بگوش ہوئیں، کلام اللہ ہی سب کو شغف رہا، سب اُس کو اپنا دین و ایمان سمجھتے رہے اور بقدرِ ظرف سب اُس سے سرشار ہوئے، لیکن اپنی زبان میں کلام اللہ کے ترجمہ کی جسارت کوئی نہ کر سکا، نہ ایران میں فارسی ترجمے ہوئے، نہ توران میں ترکی، نہ کابل میں پشتو، سلطنتِ مغلیہ کے ایامِ انحطاط میں اِس بدعت کا آغاز ہندوستان میں ہوا اگرچہ شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اور اُن کے مقدس فرزندوں کے تینوں فارسی و اُردو ترجموں کی حد تک میں اِس بدعت کو بدعتِ حسنہ سمجھتا ہوں اور امیر المومنین حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ جملہ مستعار لیتا ہوں نعمت البدعۃ ھذہٖ

یہ ایک ضمنی بات تھی، مجھے کچھ اور ہی کہنا ہے۔

تاریخ شاہد ہے کہ عجمیت کے غلبے نے عربیت کے خط و خال تک بدل دیئے، اس طوفان میں عربی زبان اور اس کے اسلوب کا برقرار رہ جانا کچھ آسان نہ تھا، الفاظ تو وہی رہے مگر معانی تبدیل ہو گئے لغویین نے کہ سب عجمی تھے اِلّا ماشاء اللہ وہی بدلے ہوئے معانی لغت میں ثبت کر دیئے، کسکو فرصت کہ کلامِ جاہلیت کا تتبع کرے اور سمجھے کہ کلام اللہ جس زبان میں نازل ہوا اُس کے کلمات کا مفہوم اُس زبان میں کیا تھا۔

ایک مثال ملاحظہ ہو:

لفظ "آلاء" سورۃ الرحمٰن کے آیہ "فبای آلاء ربکما تکذبان" میں وارد ہے، اس کے معنے سب نے نعمتوں کے قرار دیئے ہیں۔ علامہ زمخشری عربی زبان کا ایک مشہور ادیب ہے اور عربیت میں اس کی دستگاہ مسلم ہے، مگر اپنی تفسیر میں وہ بھی اس سے قدم نہیں بڑھاتا۔

مفسرین کہتے ہیں اس سورہ میں نعیم جنت و عذابِ دوزخ سب کے تذکرے کے بعد فبای آلاء الخ کی ترجیع ہے

آلاء سے اگر نعمتیں مراد ہیں تو دوزخیوں کے اصناف عذاب میں نعمت کی کیا بات ہے؟

امام رازی کا زور فلسفہ تفسیر کبیر میں عذاب دوزخ کو بھی دوزخیوں کیلئے نعمت قرار دیتا ہے۔

اہل لغت میں صاحب لسان العرب کا خاص پایہ ہے مگر وہ بھی آگے نہیں بڑھتے[1]

اکیلے ایک ابن جریر طبری ہیں کہ آلاء کے معنی "قدرۃ" لکھتے ہیں۔

لیکن اس معرکہ جدل میں پڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے؟ کلام اللہ جس زبان میں نازل ہوا آئیے اسی زبان اور اسی صدی کی زبان میں دیکھیں کہ اہل زبان اس کے کیا معنی سمجھتے تھے۔

کُمیت اپنے گھوڑے کی صفت کرتا ہے۔

فرضیت آلاء الکمیت فمن یبع ۔۔۔ فرسا فلیس جوادنا بمباع[2]

حماسی اپنے ممدوح ولید بن ادہم کے اقتدار کا مرثیہ خواں ہے:

اذا ما امرؤ اثنی بآلاء میت ۔۔۔ فلا یبعد اللہ الولید بن ادھما

فضالہ فقر کی برائیاں گناتا ہے:

وفی الفقر ذلٌّ للرقاب وقلما ۔۔۔ رأیتُ فقیراً غیر نکسٍ مذمم[3]

یُلام وان کان الصواب بکفه ۔۔۔ وتُحمد آلاء البخیل المدرھم

لطف یہ ہے کہ خود صاحب لسان العرب نے مادہ "نبہ" میں طرفہ کا یہ شعر نقل کیا ہے:

کاملٌ یجمع آلاء الفتی ۔۔۔ نَبَهٌ سیدُ ساداتٍ خضم[4]

کلام میں تدبر کرنے والے سمجھ سکتے ہیں کہ اس زمانہ میں آلاء کو قدرت و اقتدار کے معنے میں استعمال کرتے تھے جو نعمت و عذاب دونوں پر یکساں حاوی ہے، یا زیادہ سے زیادہ یہ کہ اوصاف مراد لیتے تھے یہی معانی کلام عرب سے مترشح ہیں اور کلام اللہ میں ٹھیک اترتے ہیں۔

[1] لسان العرب ص ۴۲ ج ۱۸۔ [2] کتاب الاقتضاب للسید البطلیوسی ص ۳۵۔ [3] کتاب المعمرین ص ۸۵۔ [4] لسان العرب ص ۲۴۳ ج ۱۷۔

یہ ایک ذرا سی مثال تھی، ایسی ہی ایک ہزار مثالیں پیش کی جا سکتی ہیں لیکن سنتا اور سمجھتا کون ہے،

اس روشنی میں ایک نظر اس صدی کے تراجم کلام اللہ پر بھی منعطف ہو کہ یہ رنگ برنگ کے مطبوعات صبغۃ اللہ سے کس قدر رنگین ہیں، وعند الامتحان یُکرم الشیٔ او یُہان۔

ایک بات کہنے سے رہ گئی، منشائے غلط نابغہ کا یہ شعر تھا:

هم الملوك وابناء الملوك لهم   فضلٌ علی الناس فی الآلاء والنعم

عجمی اہلِ لغت "نِعَم" پر "آلاء" کو قیاس کرکے دونوں کو مترادف سمجھے، اور اس ترادف کو درست باور کرنے کے لئے پورا دیوانِ عجم بھرا پڑا تھا،

فردوسی کہہ چکا تھا:

بہ نیخ انگبیں ریزی و شہد ناب

سمجھے کہ انگبین و شہد ایک ہی تو "آلاء" اور "نِعَم" کیوں نہ ایک ہوں، اسلوبِ عرب سے اگر آگاہ ہوتے تو ترادفات کا خیال ہی نہ آتا جس ہی ادیب کو سروکار ہی نہ تھا جاہلیت کا کوئی دیوان دیکھئے، ایک بیت میں ایک معنے کیلئے دو لفظ کبھی نہ لائینگے، اگر کسی نے یہ غلطی کی تو ساقط الاعتبار ہو گیا! نابغہ کا مطلب صاف ہے کہ آلاء یعنی اقتدارات اور نعمات دونوں میں اس کے ممدوحین کی فضیلت مسلّم ہے۔

حاشیہ - آلاء جمع ہے اور آلی واحد، واحد کی صورت میں جب مکسور الاول لاتے ہیں تو اس سے عہد و پیماں مراد لیتے ہیں۔ اعشٰی کہتا ہے:

ابیض لا یرھب الھزال ولا   یقطع رحمًا ولا یخون إلًا

جمع کی صورت میں جب الاء کو غیر ممدود لاتے ہیں تو اس سے ایک درخت مراد لیتے ہیں جسکے پھل دیکھنے میں تو خوش نظر مگر چکھنے میں بہت تلخ ہوتے ہیں۔ بشر بن ابی خازم نے کہتا ہے

فانکم ومدحکم بُجَیرًا   ابا لجاءٍ کما امتدح الالاءُ

نعت سی آلاء کی تاویل بھی خوش منظر ہے، لیکن اہلِ ذوق کو اندیشہ ہے کہ آلاء کی طرح یہ بھی تلخ نہ ہو۔

قرآن مجید ماہِ رمضان المبارک میں کیوں نازل ہوا

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِلنَّاسِ وَبَيِّنَاتٍ مِنَ الْهُدَى وَالْفُرْقَانِ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ط

(مولانا صوفی سید شاہ عبد القادر شمس آبادی)

حدیث شریف میں ہے کہ رجب اللہ کا مہینہ ہے اور شعبان میرا اور میری امت کا مہینہ رمضان ہے" مطلب یہ ہے کہ اس ماہِ مبارک میں انعام واکرام اور تفضلاتِ الٰہیہ کی خاص برکتیں بندوں پر نازل ہوتی ہیں اور قرآن مجید سب سے بڑی نعمت ہے اس لئے یہ ظاہر ہے کہ اس کے نازل ہونے کے لیے بھی اسی ماہِ مبارک کو ہونا چاہیے تھا۔

تخصیصاتِ الٰہیہ ماہِ رمضان المبارک تخصیصاتِ الٰہیہ میں داخل ہے اور یہ تخصیص انعامی اکرامی اور فضلی ہے جیسا کہ جملہ انبیائے مرسلین میں حضرت محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہ واصحابہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے مختص فرمالیا۔ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَاءُ جیسا ظرف تھا ویسا ہی مظروف بھی ملا اور جیسا قالب تھا جان بھی اسی شان کی عطا ہوئی پس علت موجود ہے اگرچہ علت طلبی فضول ہے کیونکہ کسی نہ کسی مہینے میں تو آخر نازل ہی ہوتا اور اگر معاملہ کو یہیں پر ختم نہ کیا جائے گا تو علت طلبی کا سلسلہ غیر منتہی ہو جائیگا اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ دال کو دال اور چاول کو چاول کیوں بنایا گیا۔

حقیقتِ شئی تخصیصاتِ الٰہیہ کا ہر چیز کے لئے یہی حکم ہے یعنی ایک چیز کو دوسری چیز سے مخصوص کرنا تھا کردیا۔ اسی خصوصیتِ امتیازی سے ایک شئے دوسری شئے سے ممیز اور جدا ہوگئی اور اگر ایسا نہ ہوتا تو ایک ہی شئے ہوتی اور دوسری شئے کا جلوہ محال ہوتا ہے پس اس مسئلہ کو بھی سمجھ لینا چاہیے کہ اس خصوصِ امتیاز کو حقیقتِ شئے کہتے ہیں اور حقائق الاشیاء ثابتۃ کا بھی یہی معنے ہیں۔

محلِ تجلیٔ صورتِ الٰہیہ ماہِ رمضان المبارک محل تجلیٔ صورت کے لئے منظور نظر اختصاصی ازلی ابدی

حق تعالیٰ ہی اور عدمِ احتیاج کی نسبت اور تعلق سے خدا کا نام صمد ہی یعنی وہ ذاتِ پاک جو جملہ احتیاج اور افتقار سی منزّہ اور مبّرہ ہے صمد کہلاتی ہے۔ خدائے پاک اِسی صفتِ خاص سے ماہِ رمضان المبارک میں تجلی فرماتا ہی جس کا اثر یہ ہی کہ اُس کے بندوں پر صمدیت کا پرتو پڑ جاتا ہے۔ کھانا، پانی، بی بی سب سے بے احتیاج ہو جاتا ہی گویا اِس ترک سی بندہ استغراق فی الذات حاصل کر لیتا ہے۔

نزولِ قرآن کی غرض تخلقوا باخلاق اللہ کلام اللہ صفتِ الٰہی ہے اور صفت ذات سے علیحدہ نہیں ہوتی۔ تو جب ذات کی تجلی اُمت پر ہو چکی اور اُمت نے حق تعالیٰ کے صفات سی متصف ہونیکی استعداد پیدا کر لی تو کلام اللہ نازل ہوا جس کا دوسرا نام قرآن مجید ہے اور اِس کا مقصود بندوں کے لیے تخلقوا باخلاق اللہ ہی جو اعلیٰ ترین مرتبہ اور اعلیٰ ترین نعمت ہے۔ اِسی اخلاقِ الٰہیہ سے متصف ہونیکے لئے اسکے وسائل و ذرائع کو ایک ضابطے اور قانون کی صورت میں اُمت کے حوالے کر دیا گیا اور اِس کے لئے بھی ماہِ رمضان المبارک میں قرآن مجید کے نازل ہونیکی مناسبت ظاہر ہے۔

قرآن اور فرقان قرآن مرتبۂ اجمال اور فرقان مرتبۂ تفصیل کا نام ہے۔ نری ذات کی تجلی قرآن ہے۔ جیسے تخم۔ اور تخم کے کمالات کا بصورتِ شجر ظاہر ہونا فرقان ہے۔ جب ذاتِ صمدیت کی تجلی ہوئی تو قرآن نازل ہوا۔ اور اُس کے آثار، اعضاء و جوارح پر ظاہر ہوئے تو نزولِ فرقان سمجھنا چاہیے نیز روزے کی ظاہر صورت فرقان ہے اور اُس کی اندرونی قابلیت و استعداد قرآن ہے، پس روزہ دار کی وہ ذاتِ مقدس ہی جس پر قرآن بھی نازل ہوا اور فرقان بھی اور حقیقی نزولِ قرآن و فرقان بھی یہی ہے

روزہ دار پر قرآن و فرقان کا نزول ہوتا ہی فلیصمہ کا حکم عام ہے اور اس سے وہی ذوات مقدس مقصود ہیں جو ازل سے ہی بعطائے الٰہی حاملِ قرآن و فرقان بننے کی صلاحیت و استعداد رکھتے ہیں۔ نیز رمضان المبارک میں روزہ بھی تو یہی رکھتے ہیں ورنہ یوں تو انسان بھی اربوں ہیں اور مسلمان کی تعداد بھی کروڑوں تک پہنچتی ہی لیکن جو روزہ دار ہیں قرآن و فرقان کا نزول بھی اُنہیں پر ہوتا ہے۔

رمضان اور روزہ ارشاد باریتعالیٰ ہے فَمَنْ شَهِدَ مِنكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ یعنی جس نے ماہِ رمضان المبارک سے شہود حاصل کیا اُس کو روزہ رکھنا چاہئیے۔ اور رمضان خدائے پاک کا نام ہی ہے۔ لہٰذا شہر رمضان کے معنے ہوئے۔ رمضان کا مہینہ یعنے اس ذاتِ پاک کی تجلّی کا مہینہ جو صفتِ رمضانیت سے متصف ہے۔

شہر رمضان کے شہود سے مقصود حضرتِ رمضان کا شہود ہے شہر رمضان مجازاً استعمال کیا گیا ہے جیسے حال کو محل سے تعبیر کرتے ہیں۔ مہینہ محلِ تجلّی رمضان ہے تو اب معنے یہ ہوئے کہ شہود رمضان خود اس بات کا مقتضی ہے کہ شاہد کے اندر رمضانیت کے انوار پیدا ہو جائیں۔ اسی کے معنے روزہ کے ہیں اور یہی روزہ ہے۔

ایک لطیف مثال آفتاب کے سامنے جب کھڑے ہوتے ہیں تو اُس کے نور کی چادر ڈھانپ لیتی ہے۔ اسی طرح اگر آپ کو حضرتِ رمضان کا شہود حاصل ہو تو آپ کے قلب، رُوح کے چہرے بلکہ تمام جسم پر صمدانیت کے انوار کی چادر کا پڑ جانا لازمی ہے اور اس کو تسلیم کر لینا چاہیئے کہ جب تک حضرتِ رمضان کا شہود نہیں حاصل ہوتا آپ منورِ نورِ صمدانیت نہیں ہو سکتے۔ چاند کا دیکھنا اور اس کا شہود ایک علیحدہ چیز ہے اور حضرتِ رمضان کا شہود ایک دوسرا امر خاص ہے۔

یاد رکھنے کی بات یاد رکھنے کی بات ہے کہ جو شخص جس شئے میں فانی ہوتا ہے اُس کے اندر اُس شئے کے احکام و آثار کا پیدا ہو جانا لازمی ہے۔ پس حضرتِ رمضان میں جس نے فنائیت حاصل کی ہوگی اُس کے انوار و آثار اس سے ضرور ظاہر ہوں گے۔ پس لاریب وہ مبارک ہستی ہے جو روزہ دار ہے اور یہی وہ چیز ہے جس کا نام روزہ ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے کہ مسلمان قرآن کی حقیقت کو سمجھنے کے لئے مستعد ہو جائیں پھر حقیقتِ رمضان اور حقیقتِ روزہ کا سمجھنا بالکل سہل ہے۔

عُلُومُ القرآن

نبوت عین حکمت ہے

(مولانا صوفی سید شاہ عبدالقادر صاحب حیدرآبادی)

ہر نبی کی تعلیم درحقیقت سراپا حکمت ہے اور ہمارے نبی پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم بھی اسی تعلیم کے لئے مبعوث فرمائے گئے۔ آپ کی تشریف آوری سے بہت پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قرآن کی زبان میں جو دعا مانگی تھی اس میں بھی اسی مقصد کی تکمیل کا اظہار کیا گیا تھا۔

ربنا وابعث فیھم رسولا منھم یتلوا علیھم اٰیٰتک ویعلمھم الکتٰب والحکمۃ

اے میرے رب انہیں میں سے ایک رسول مبعوث فرما جو ان پر تیری آیتوں کو پیش کرے اور ان کو کتاب امت کی تعلیم دے۔

حضرت ابراہیم نبینا علیہ الصلوٰۃ والتسلیم نے منشائے خداوندی کے مطابق دعا فرمائی تھی اس لئے حرف بحرف پوری ہوئی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم ہر صفت موصوف مبعوث ہوئے اور قرآن حکیم کے ذریعہ دنیا کو قیامت تک کے لئے دینی و دنیاوی حکمت کا سبق دیا بلکہ ظاہری اور باطنی طور پر ہر آن آج بھی اسکا فیضان جاری ہے۔

کمالات علوی و سفلی

قرآن مجید نے انسان کو جمیع کمالات الٰہیہ کا جامع قرار دیا ہے عام اس سے کہ وہ کمالات علوی ہوں یا سفلی۔ علوی کمالات میں اسرار و حقائق، انوار و لطائف، ذات و صفات اسمائے الٰہیہ کے کرشموں کا معائنہ اور ہر اسم جو محل ظہور کی یافت اور ہر صفت اور ہر اسم کی تلاش سبھی محل خاص ہیں ہر یا در کمالات سفلی میں جیسے طب، زراعت، تجارت، صنعت و حرفت، علم البرق، طیارے، جہاز، ریل، موٹر و غیرہ اور سائنس

کی ایجادات و ترقی جو اب تک ہو چکی ہیں یا آئندہ ہو سکتی ہیں وہ سب انہی کمالات عقلیہ کا نتیجہ ہیں۔
جیسا کہ کہا گیا انسان اپنے اصل فطرت کی رو سے ان جملہ کمالات کے اظہار کا قابل اور مستعد ہے
لیکن حکمت الٰہیہ ازل ہی سے اس بات کی مقتضی ہے کہ انسان اپنے کمال کو جو خود اسی کی فطرت میں
ودیعت ہے بغیر خارجی تعلیم کے حاصل نہیں کر سکتا حیوان کے بچے بغیر کسی تعلیم کے اڑنے اور تیرنے لگتے
ہیں لیکن انسان کے لئے اس کی تعلیم لازمی ہے اور بغیر کسب کے یہ علم اس کو حاصل نہیں ہو سکتا۔
پس اسی اقتضائے حکمت الٰہیہ کی بنا پر معلم کمالات انسانی کی ضرورت ہوئی جس کا دوسرا
نام نبی کی ضرورت ہوئی۔

نبی کا کام

نبی کا کام یہی ہے کہ جتنے کمالات انسان کی فطرت میں بالقوہ موجود ہیں ان کو بالفعل کرا دے اور ہر کمال کا مظہر اور مصرف
اور اس کے استعمال کی تہذیب کی تعلیم دے۔ اور انبیاء علیہم السلام میں باہم جو تفاضل ہے وہ بھی
اسی معیار پر ہے کہ جو نبی جس قدر زیادہ کمالات انسانیہ کو فطرت کی قوت سے عالم شہادت
میں لایا ہے وہ اسی قدر دوسرے نبی سے اس خاص عمل میں زیادہ ہے۔

خاتم النبیین

اوپر کے بیان سے خاتم النبیین کا مسئلہ بھی آسانی کے ساتھ سمجھ میں آ سکتا ہے کہ سب سے زیادہ افضل وہی نبی ہوگا جس نے جمیع کمالات انسانیہ
خواہ وہ علوی ہوں سفلی ان سب کو اپنی تعلیم سے انسان کے لئے قوت سے فعل میں لا دیا ہوگا اور
اس کی تعلیم سے باہر کوئی کمال اپنے بالفعل ہونے کا منتظر باقی نہ رہا ہوگا تو وہی نبی خاتم النبیین ہے
کیونکہ جب ہر طرح کے کمالات ظہور میں آ گئے اور ان میں سے کوئی ایک بھی باقی نہ رہا تو پھر دوسرے
نبی کی ضرورت کے کیا معنی؟ اور جب ہم مذاہب عالم اور ان کے ہادیوں کی تعلیم پر نگاہ ڈالتے ہیں
تو صاف نظر آتا ہے کہ کسی نے کمالات علوی کا لحاظ کیا حقیقتاً نظر آتا ہے تو کسی نے کمالات سفلی کا اور یہ بالکل واضح

بات ہے کہ انسان ان سب سے کسی ایک کمال میں بھی ادھورا رہا تو وہ اپنے لئے مفید ہو سکتا ہے نہ دوسرے ابنائے جنس کے لئے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کو لیجئے تو معلوم ہوتا ہے کہ ان کو حضرت خضر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہونے کی ضرورت تھی اور پھر بھی اس علمی کمال میں وہاں سے مایوس ہی پھرنا پڑا۔ دوسری طرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں جن کے یہاں سرے سے وہ چیز ہی نہیں جس کی تمدن و تہذیب کو ضرورت ہے اور یہی حال ہندوستان کے سب سے بڑے مہاتما گوتم بودھ کی تعلیم کا بھی ہے۔

ظاہر ہے کہ انسان اپنے کمالات کی تحصیل میں جس درجے کا بھی محتاج ہے مجرد انسان علم کے علاوہ عمل کے کمال سے بھی بے بہرہ رہ جائیگا نیز استقامت سلطنت و حکمرانی سے بھی محروم ہوگا اور مثل نفاذ حکم سے ناواقف و مستعد اور قابلیت امور و محکومی سے لاعلم۔

الغرض اس قسم کے اور بھی بہت سے کمالات ہیں جن سے کمالات نفسیہ کے حصول کے بغیر انسان انسانی کمالات کے اظہار سے محروم رہ جائیگا لہذا ہم بنظر انصاف اور بغیر کسی تعصب کے دیکھتے ہیں تو ہمیں ایک ہی ذات ایسی نظر آتی ہے جس کے اندر یہ ہر دو کمالات علمی و عملی بدرجۂ اتم موجود ہیں اور ایک ہی کتاب ہمارے سامنے آتی ہے جس کے اندر دعوی کے ساتھ ان ہر دو تعلیم کی تعلیم ہے، وہ ذات محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہے اور وہ کتاب قرآن مقدس ہے۔

الحکمۃ ضالۃ المومن

یہ سمجھ لینے کے بعد کہ جمیع کمالات فطریہ انسانیہ کو قوت سے خارج میں لانا اور ان کے محل و مصرف اور تہذیب استعمال کا تعین کرنا ہی کتاب کا اصلی کام ہے اور یہ جان لینے کے بعد کہ ان ہر دو کمالات کی مرج البحرین تعلیم اسی نبی اور اسی کتاب کے ذریعہ نصیب ہو سکتی ہے جس کے بارے میں انسانوں کے پیدا کرنے والے خدا نے الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا فرمایا اور تاکید فرمائی کہ دین کیسا

دنیا کی بھلائی کے لئے یہی دعا مانگا کریں، ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ۔ اب اس بات کے سمجھنے اور جاننے کی ضرورت ہے کہ اس حکمت کا جائز اور اصلی وارث کونسی قوم اور اس کا کون سا فرد ہو سکتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے الحکمۃ ضالۃ المومن حیث وجدھا اخذھا۔ حکمت مومن کا گمشدہ مال ہے۔ یہ جہاں ملے اس کو لے لینا چاہیے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ محل سے بے محل کوئی شئے ہے تو وہ چوری ہے۔ لہٰذا آج یورپ کی ترقی ایجادو اختراعات وغیرہ دراصل مال مغصوبہ ہیں اور دراصل ان کا مالک و مختار اسی کو ہونا چاہیے جس کو مومن ہونے کا دعویٰ ہو۔

العلماء ورثۃ الانبیاء

مالی تملیکات دو قسم کی ہوتی ہیں ایک اکتسابی دوسری میراثی، حکمت کے حقیقی مالک جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور میراثی مالک مومن کو سمجھنا چاہیے جن کے تعلیم دینے والے انکے استاد علماء ہیں جن کی شان میں ارشاد ہوا العلماء ورثۃ الانبیاء۔

مومن کو اپنے گمشدہ اور مسروقہ مال کی تلاش کرنی چاہیے کیونکہ جب اس کے قبضہ سے نکل کر دوسرے قبضہ میں اس کا مال گیا تو یقیناً وہ مال مسروقہ ہے اور قابض غاصب اور جب یہ مال کسی کے ہاتھ میں مل جائے تو اس کو ہر ممکن کوشش سے واپس لینے کی فکر کرنی چاہیے کیونکہ وہ اسی کا حق ہے اور علماء کو بھی لازم ہے کہ وہ اس بات کو ثابت کر دکھائیں کہ حقیقت میں حکمت کے صحیح وارث یہی ہیں۔

جب حکمت حقیقی تملیک محمدی ہے تو جہاں کہیں بھی یہ چیز ہوگی وہ یا تو خاتم النبیین محمد رسول اللہ صلی اللہ وآلہ وسلم کی ہوگی یا مال مسروقہ پس ازل سے لے کر ابد تک جہاں کہیں اور جس ذرے اور جس قطرے میں حکمت کا جمال نمایاں ہوگا یا حکمت کا نور مشتعل ہوگا وہ صدر سینۂ مخزن محمدی ہی کا

پرتو ہوگا جیسے برقی شعلے ایک ہی معدن کے افاضہ میں اسی طرح جس کسی کا دل، دماغ، سینۂ محمدی سے متقابل ہوگا اس کے اندر اس کے حسب استعداد حکمت کا شعلہ منتقل ہو جائیگا جس طرح آفتاب کا عکس اس کے مقابل پانی کے حوض کے اندر اور پھر اس کا پرتو دیوار پر۔ اب دیوار جو روشن ہے تو وہ پرتو ہی آفتاب کے عکس کا جو حوض میں نمایاں ہے۔

اوپر کی مثال سے ایک اور دقیق مسئلہ سمجھ لینے کے لائق ہے کہ یہ دیوار کی روشنی کیا آفتاب کی ذات سے خارج ہو کر دیوار پر پڑ رہی ہے۔ نہیں بلکہ دیوار کے اس حصہ میں جو آفتاب کے عکس کے مقابل ہیں ہی اسکا پرتو بعض ذرات یہ قابلیت رکھتی ہیں کہ تقابل آفتاب کے ساتھ ہی خود بخود روشن ہو جاتیں۔ اور ان میں حسب قدر استعداد قوی اور تقابل صحیح ہوتا ہے اسی قدر قوت اور شدت سے روشنی ہوتی ہے۔

حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدائے حکیم سے حکمت کا فیض ایسا حاصل کیا جیسے حوض نے آفتاب سے اور دوسروں نے جو تنویری فیض پایا ہے وہ آفتاب سینۂ محمدی صلعم سے ٹھیک اسی طرح جیسا کہ دیوار نے حوض کے آفتاب سے تنویری فیض پایا تھا۔

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ جس دل میں جس قدر قوت اور استعداد تنویر قوی ہوگی اسی قدر وہ دل تقابل آفتاب سینہ محمدی سے فیض حاصل کریگا اور پھر یہ بھی کہ جس کمال کے ساتھ آئینہ ذہن مقابل ہوگا وہی کمال اس آئینہ میں ظاہر ہوگا یعنی اگر کمالات علویہ کا مقابل ہے تو کمالات علویہ کا ظہور ہوگا اور اگر کمالات سفلیہ کا تقابل ہے تو کمالات سفلیہ ہی نمایاں ہونگے۔ انبیاء و رسل، اقطاب و اغواث اور اولیاء اللہ کے قلوب نے کمالات علویہ محمدیہ صلعم سے تقابل حاصل کیا اس لئے کمالات علویہ سے منصف ہو گئے اسی طرح اور حکماء، اطبا اور جملہ علوم و فنون اور ایجادات و اختراع والے نے کمالات سفلیہ کے تقابل سے کمالات سفلیہ کے علمبردار ہو گئے۔

آج یورپ والوں کی ساری ترقی کو اسی کا پرتو سمجھنا چاہیے جس کا ذکر ہوا۔ ان کے دماغوں

نے کمالات سفلیہ محمدیہ کا تقابل حاصل کیا ہے اسلئے وہ ہوا پر اڑنے لگے اور سمندر کو اس سرے سے اس سرے تک پاٹ کر رکھدیا ہے اور وائرلس اور بجلی کی قوتوں سے دنیا کے اس سرے کو اس سرے سے ملادیا ہے۔ یہ فنون حکمیہ بھی مومن کا ہی مال ہیں پس مومنین کو چاہیئے کہ ان کی تحصیل میں بھی پوری کوشش کریں ورنہ جسطرح دنیا بغیر دین کے ہیچ ہے اسی طرح دین بھی بغیر دنیا کے تکمیل نہیں پا سکتا اور کمالات علوی سے ہمارا مقصود جسطرح کمالات دینیہ ہیں اسیطرح کمالات سفلیہ سے کمالات دنیویہ مراد ہے۔

الحمد للہ ہم نے اس مضمون میں اس بات کو اچھی طرح سمجھا دیا ہے کہ خاتم النبین محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات مقدس جمیع کمالات الٰہیہ کی جامع ہے جس سے کوئی دینوی کمال خارج ہے نہ کمال دینی اور جملہ انبیاء و مرسلین علیہ الصلوٰۃ والتسلیم اپنے اپنے ختم زمانہ تک اپنی اپنی استعداد کے مطابق آپ ہی کی آفتاب صفت ذات سے انطباعی توسل حاصل کرتے رہے۔ آدمؑ نے صفوت، نوحؑ نے نجات، شیثؑ نے علم نجوم، ابراہیمؑ نے خلت موسیٰؑ نے کلیم اللٰہی اور عیسیٰؑ نے احیائے موتیٰ، ابرائے اکمہ و ابرص۔ الغرض ان سب مقدس ہستیوں نے جو کچھ حاصل کیا وہ سینۂ محمدیہ صلعم سے ہی حاصل کیا اور جب نبوت کا سلسلہ ختم ہو گیا تو دوسرا دور اولیائے امت کا ہو گیا ہے اور اولیائے امت انبیائے سابق کی طرح اپنی اپنی استعداد کے مطابق انطباعی فیوض آفتاب سینۂ محمدی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے حاصل کرتے رہے اور قیامت تک کرتے رہیں گے اور اسی طرح کمالات دنیویہ ازل سے ابد تک جہاں کہیں ہیں حکمت کی صورت میں خاتم النبین رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا افاضہ ہے اور ہوگا جس کے لئے علوم قرآنیہ کی طرف متوجہ ہونا چاہیے۔

اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحَاكِمِيْنَ ۹۵؍ ۹

حاکم ہے جو سارے حاکموں کا — حکموں پہ اسی کے سر جھکاؤ
قانون ہے بس اسی کا قانون — اس نام کے سکہ کو چلاؤ

مُتقیوں کی ہدایت کرنیوالی کتاب

(مولوی عبدالقادر صاحب صدیقی۔ نائب منتظم محکمۂ نظامت شہر حیوانات حیدرآباد)

علمی دنیا جو اللہ تعالیٰ کی صفت علیم کی مظہر ہے اپنے اندر لاتعداد و ان گنت علوم و فنون کے سرچشمے و خزانے رکھتی ہے۔ پھر ان علوم کے مختلف شعبے و شاخیں اسقدر کثیر ہیں کہ اُن کو حد و حصر میں لانا ایک نہایت دشوار امر اور کارے دارد کا مضمون معلوم ہوتا ہے۔ منجملہ ان علوم کے ایک علم الہیات بھی ہے محض اس علم کے کتب حاضرہ پر ہی محنتی ہونیکی اگر کوشش کیجائے تو یقیناً یقیناً عمر نوحؑ و صبر ایوبؑ درکار ہو۔

اس دنیا کی بڑھی ہوئی اور بڑھتی ترقی کو دیکھکر بے شک و شبہ انسان کا دل مارے حسرت کے خون ہو جاتا ہے وہ دیکھتا ہے کہ عمر مختصر ہے حوائج کثیر ہیں بہت سا وقت اُن کے نذر ہو جاتا ہے۔ اگر انسان کی عمر اوسطاً ساٹھ سال قرار دیجائے تو پہلے بیس سال رفع طفولیت کیلئے اور آخر کے دس سال اضمحلال قویٰ کی وجہ سے آرام و آسائش کی خاطر علیحدہ ہو جاتے ہیں۔ باقی تیس سال ہیں سے نیند و علالت کا زمانہ قریباً نصف کے ہوتا ہے جسے وضع کرنے کے بعد پندرہ (۱۵) سال رہ جاتے ہیں۔ انہیں سے کسب معاش و دیگر احتیاجات کی تکمیل میں جن میں کھانا پینا۔ بیوی بچوں دوستوں سے باتیں کرنا تربیت کرنا وغیرہ داخل ہیں آدھے سے زیادہ زمانہ صرف ہو جاتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ حقیقی طور پر (۷) یا (۸) سال ہی مشکل رہ جاتے ہیں جن میں اکتساب علم کرتا ہے خود فائدہ اٹھاتا ہے دوسروں کو فائدہ پہنچاتا ہے

انسانی فطرت کا تقاضا یہ ہے کہ اعلیٰ ترقیاں حاصل ہوں جو کچھ بھلائی خیر و برکت حاصل کرنا ممکن ہے اسے لے لیا جائے معزز و مکرم ہوں۔ کام کا زمانہ اسقدر مختصر ہے کہ سمجھ میں نہیں آتا کہ کیا کیا جائے؟ اور کیا نہ کیا جائے؟ گویا دنیا ایک عجائب خانہ ہے جس میں طرح طرح کی محیر العقول سامان و اسباب ہوں جنہیں دیکھکر نگاہیں حیران ششدر رہ جائیں اور کسی ایک کی طرف بھی جی بھر کر نہ دیکھ سکیں اور بے تابانہ پکار اٹھیں۔

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حسنِ تو بسیار — گلچینِ بہارِ تو زداماں گلہ دارد

ان مشکلات و مجبوریات کے مدِ نظر دانایانِ زمن و عقلائے افرنگ نے قرار دے لیا ہے کہ اکتسابِ علم کے پہلے ہر شخص اپنا نصب العین آپ تجویز کرلے اور اس نصب العین کے متعلق متعلقہ علم کی کتب سے مستفید ہو مثلاً انجینئرنگ، طبابت، وکالت، انشا پردازی، شاعری، صنعت و حرفت وغیرہ وغیرہ۔ اس سے یہ ہوگا کہ ہر فن کا آدمی اپنے فن کی حد تک ماہر ہوگا اور اسی پر قناعت کریگا۔ انجینئر کو ضرورت نہ ہوگی کہ وہ طبابت کی کتب دیکھے نہ طبیب کو حاجت ہوگی کہ وہ انجینئرنگ سے سروکار رکھے اسی طرح کسان کو صنعت و حرفت کی جانب رجوع ہونے کی احتیاج نہ ہوگی اور نہ کسی صناع کو ہل کا شتکاری کا شوق ہوگا وعلیٰ ہذا

اقسامِ علوم کے متعلق ذرا غور سے دیکھا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ مختلف نقطہ ہائے نگاہ سے ایک علم دوسرے علم کی نسبت ضروری ہے یا ایک دوسرے کی نسبت زیادہ وسیع ہے۔ حضور سرورِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ العلم علمان علم الابدان و علم الادیان۔ علم مذکورہ دو ہیں ایک علم الابدان یعنی طبابت دوسرا علم الادیان یعنی دین کا علم۔ اور اس میں کیا شک ہے کہ صحت جسمانی ایک بہت ہی مقدم شے ہے یہ نہ ہو تو دولتِ ہفت اقلیم سارے علوم و فنون ہیچ ہیں۔ علمِ دین اس سے بھی اہم ہے یہ نہ ہو تو ہمارے امورِ معاد کو جو ابد الآباد تک متاثر ہونگے لاانتہا نقصان پہنچیگا۔ لہٰذا فہرست علمِ دین کے متعلق قدرے روشنی ڈالی جاتی ہے۔

اس موقع پر یہ نکتہ نظروں سے اوجھل نہ ہونا چاہیے کہ جسمانیات کا عالم عارضی اور فانی ہوتا ہے اور روحانیات کا عالم مستقل اور دائمی ہوتا ہے۔ عالم عارضی اور فانی کے لئے یہ قانون قدرت ہے کہ رہبری کیلئے عقل اور مشاہدہ کو ساتھ لگا دیا گیا ہے جسکی وجہ سے جو اعمال و افعال سرزد ہوتے ہیں ان میں اکثر صحت اور درستی ہوتی ہے لیکن تاہم اتنا ہے کہ بعض دفعہ عقل بھی غلطی کرتی ہے اور مشاہدہ بھی ٹھوکر کھا جاتا ہے اور اس سے جو نتیجہ اس کے کہ عارضی فوائد و لذات سے بے نصیبی ہوتی ہے چنداں حرج نہیں ہے لیکن مستقل و دائمی عالم کے لئے اللہ تعالیٰ نے جہاں عقل کو انسان کے ساتھ بطور مشیر لگایا ہے وہاں غیر خطا پذیر الہام کا سلسلہ بھی اسے دیا گیا ہے تاکہ وہ اپنے مقصد کیلئے غلطاں و پیچاں حیران و سرگرداں ہوکر کمالاتِ حاصل شدنی سے محروم نہ ہو جائے۔ یہ الہام

قرآن کریم ہی جو صداقتوں کی صحت و درستی کے لئے بطور معیار دنیا میں قائم کیا گیا ہی اور اس کی غرض یہ ہے
کہ کم سے کم وقت میں زیادہ سے زیادہ فائدہ حاصل ہو۔

اب سوال یہ ہے کہ قرآن شریف نے اپنا مقصد کیا بیان فرمایا ہے؟ اس کے جواب کیلئے کہیں دور
جانیکی ضرورت نہیں۔ کتاب پاک کے کھولتے ہی ابتدائی آیات یہ نظر آتی ہیں الٓمٓ ذٰلِكَ
الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ یعنی میں اللہ ہوں بڑا جاننے والا۔ یہ ایک کتاب
ہے جس میں کوئی شک و شبہ و تردد یا ہلاکت نہیں متقیوں کو ہدایت کرنے والی ہے۔

یہاں چند باتیں قابل غور ہیں:۔

الٓمٓ۔ یہ مخفف ہے انا اللہ اعلم کا جسکے معنی ہیں میں اللہ ہوں بڑا جاننے والا۔ انا میں سے ابتدائی ا۔ اللہ
میں سے درمیانی ل اور علم میں سے آخری م لیا گیا ہے۔ یہ معنی حضرت علیؓ، حضرت ابن عباس، حضرت ابی
ابن کعب و حضرت ابن مسعود رضوان اللہ علیہم اجمعین نے کئے ہیں۔

الٓمٓ کے الفاظ کی تہ میں یوں تو حقائق و معارف کی کثرت ہے لیکن اس جگہ اتنا اشارہ ضروری ہے کہ
اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کو اپنے بہت بڑے علم کا واسطہ دیکر شروع فرمایا ہے جس سے پڑھنے والے کے دل میں
شوق و کشش پیدا ہوتی ہے اور رجحان و دل سے اُسے مطالعہ کرکے سوچنے و سمجھنے و عمل کرنیکی جانب توجہ
ہوتی ہے۔ اگر کسی کو واقف کرایا جائے کہ فلاں مقام پر خزانہ ہے تو مجرد اس بیان سے ہی سامع ہمہ تن منہمک
و متوجہ ہو کر مزید تفصیلات کیجانب کان دھرتا ہے کہ اُسے فائدے کی باتیں حاصل ہوں پھر فرمایا ذٰلِكَ
الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيهِ۔ یہ کتاب ایسی ہے جس میں کسی شک و شبہ و تردد و ہلاکت رنج، قلق
تہمت کا گزر نہیں یقینیات پختہ و سنجیدہ باتوں سے لبریز ہے۔ یہ بھی بہت اُمید افزا جملہ ہے جو ناظر کے
دل پر اثر کرنے والا اور اس کی توجہ کو جذب کرنیوالا اور خفتہ و پژمردہ جذبات کو اُبھارنے اور سنوارنیوالا
پھر ارشاد ہوا هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ۔ یہ کتاب متقیوں کے لئے رہنما ہے متقی خدا سے ڈرنیوالا

حق اللہ و حق العباد بجا لانیوالا۔ اگرچہ اس کی تعریف تفصیلاً قرآنِ کریم نے پارہ ۲ رکوع ۵ میں بیان فرمائی ہے لیکن خلاصہ وہی ہے جو عرض ہوا۔

بعض لوگ ناسمجھی کی راہ سے یہ کہتے ہیں کہ چونکہ سدھار وہاں ہوا کرتی ہے جہاں بگاڑ ہو۔ اصلاح کی ضرورت وہاں ہے جہاں فساد ہو۔ اس لئے خدا کا یہ فرمانا کہ یہ کتاب متقیوں کی رہبری کرتی ہے تحصیل حاصل ہے کیونکہ وہ تو پہلے ہی اصلاح یافتہ ہیں اور خدا سے ڈرتے ہیں۔ چاہیے یہ تھا کہ یہ کتاب بدمعاشوں، اٹھائی گیروں، چوروں، ڈاکوؤں، بدکرداروں کی اصلاح کرتی اور کہتی کہ میں ان کے لئے ہوں۔ جواب یہ ہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ معترضین اس ذہنیت کا شکار ہیں کہ گناہوں سے بچ جانا بہت بڑا کمال ہے۔ حالانکہ گناہوں سے بچنا بالذات کوئی مستقل کمال نہیں کیونکہ ظاہر ہے کہ ترک شر سے انسان ایصالِ خیر پر قادر نہیں ہو سکتا۔ گناہوں سے بچنے کے بعد اسے نیکیوں کی دولت کا جمع کرنا ضروری ہے جیسے بیمار کو ازالۂ مرض کے بعد طاقت و قوت حاصل کرنے کی حاجت ہوتی ہے۔ قرآن کریم نے اپنا مقصد بہت بلند رکھا ہے وہ فرماتا ہے کہ میں اپنے علم و حکمت میں اتنا بڑھا ہوا ہوں کہ متقی بھی جو گناہوں سے نجات حاصل کئے ہوئے ہوں اپنی ترقی کے لئے مجھ سے رہبری پا سکتے ہیں۔ ایسا اس اندازِ کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اعلیٰ قسم کے لوگ اس کتاب سے فیض پا سکتے ہیں تو ادنیٰ قسم کے لوگ بدرجہ اولیٰ اس سے مستفید ہو سکیں گے۔ جیسے کسی قابل شخص کو جو ایم۔ اے کامیاب ہو اس کے نام کے ساتھ ایم۔ اے لکھیں گے یہ نہیں کہیں گے کہ وہ انٹرنس کلاس کامیاب ہے حالانکہ یہ قول غلط نہیں ہے۔ گاماں پہلوان کی نسبت جب کہا جائے کہ وہ زبسکو پہلوان کو پچھاڑ سکتا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ وہ بچوں کو زیر نہیں کر سکتا یہ بات خود بخود ذہن میں آتی ہے کہ جو شخص پہلوان کو زیر کرتا ہے ضرور ہے کہ بچوں پر نہایت آسانی کے ساتھ غالب آ سکے۔ اس کے علاوہ قرآن کریم نے دیگر آیات میں بارہا یہی آدم سے لوگوں کو مخاطب کیا ہے۔ ان لئے ہدی للمتقین سے یہ کہنا کہ عام لوگ مراد

نہیں ہیں غلط ہے۔ اس کا مقصد اپنے بلند آورش کا بیان کرنا ہے۔

آیات مذکورہ بالا پر بحیثیت مجموعی نظر ڈالی جائے تو اُن کا ایک اور حُسنِ لطیف ظاہر ہوتا ہے۔
عام قاعدہ ہے کہ ہر شئے کے لیے علل اربعہ ہوتے ہیں یعنی علت فاعلی، علت صوری، علت مادی
علتِ غائی۔ کوئی شئے بھی پیش نظر ہو جائے تو ہمارا ذہن اس جانب کام کرتا ہے کہ اُس کا بنانے والا
کوئی ہے اس کی کوئی نہ کوئی صورت و شکل ہے۔ اسے بنانے کی کوئی نہ کوئی غرض و غایت ہے مثلاً
کرسی سامنے ہو تو سمجھا جائے گا کہ نجار نے اُسے بنایا ہوگا۔ لکڑی یا لوہے کو استعمال کیا ہوگا ایک خاص
صورت پر جسے کرسی کہتے ہیں ڈھالا ہوگا اس تمام عمل سے اُن کی غرض و غایت یہ ہوگی کہ لوگ اس پر بیٹھیں
اسی طرح کلام مجید کو دیکھا جائے تو ظاہر ہوگا کہ اس کی علت فاعلی اللہ تعالیٰ ہے۔ ذالک الکتب
اس کی علت صوری ہے۔ لاریب فیہ اس کی علت مادی ہے۔ اس کلام کی علت غائی یہ ہے کہ ھدی للمتقین
یعنے متقیوں کو ہدایت ہو۔

قرآن کریم کے تذکرۂ مختصر تفردات کیا بہ لحاظ معانی و مطالب و کیا بلحاظ ربط و ضبط و ترتیب اور
کیا بہ لحاظ علل اربعہ مکمل صورت میں موجود ہیں۔ اس کا انداز کلام ہی ایسی عجیب و غریب شان پر واقع ہے کہ
دوسری کتابیں اس کی نظیر لانے سے عاجز ہیں۔ مثلاً تشریح بالا کو ہی بطور نمونہ سمجھ لیا جائے
تو ایک بے تعصب آنکھ اس کی حد اعجاز کی قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ کیوں نہ ہو وہ کتاب خود اس
امر کی مدعی ہے کہ ان کنتم فی ریب مما نزلنا علی عبدنا فاتوا بسورۃ من مثلہ وادعوا شہداءکم من دون اللہ ان کنتم
صادقین۔ اسی کمال سے متاثر ہو کر ایک عارف باللہ فرماتے ہیں۔ ؎

دل میں یہی ہے ہر دم تیرا صحیفہ چوموں
قرآن کے گرد گھوموں کعبہ مرا یہی ہے

حکومتِ الٰہی

مسلمانوں کی دعائیں

آپ نے نام شکایت کا دعا رکھا ہے

(علامہ عبداللہ العمادی)

دنیا ایک معرکۂ دار و گیر ہے۔ اس میں فیروزمندی اسی کیلئے ہے جو وسائل فیروزمندی سے کام لے۔ مسلمان خستہ و خوار ہیں، زبون و زیاں کار ہیں۔ تاہم بہتیرے ایسے بھی ہیں کہ نماز پڑھتے ہیں، روزے رکھتے ہیں، دعائیں کرتے ہیں، وظائف و اوراد میں سرگرم رہتے ہیں، بایں ہمہ صلاح و فلاح میں کچھ ترقی نہیں کرتے، اس کا کیا سبب ہے؟

تنزل اگر ترکِ شعائرِ اسلام سے ہے تو التزام کا یہ الٹا اثر کیوں؟

واقعہ یہ ہے کہ پہلے ہمیں دعا کا طریقہ جان لینا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام میں خود اُس کو بتایا ہے

ربنا افرغ علینا صبراً و ثبت اقدامنا وانصرنا علی القوم الکافرین۔ اے ہمارے پالنے والے ہمارے دل کو تذبذب و تنزل سے خالی کرکے اس میں صبر و ثبات بھر دے، ہمیں ثابت قدم رکھ اور کافروں کی جماعت پر ہم کو نصرت عطا فرما۔

اس میں پہلی چیز "افراغ صبر" ہے۔ "صبر" اور "ثبات" ملتے جلتے اوصاف ہیں، اتنی بات ہے کہ صبر قلب سے متعلق ہے۔ افراغ کا مدعا یہ ہے جس قلب کو تو صبر کی نعمت بخشنے والا ہے اُس کو بے صبری کی کیفیت سے خالی کر دے اور پھر اُس میں نعمت بھر دے۔

دوسری چیز "ثابت قدمی" اور انجام کار نصرت ہے۔

اس آیۂ شریفہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آپ کو تعلیم دی ہے کہ نصرت مطلوب ہے تو اللہ سے التجا کرو کہ (۱) ثبات قلب حاصل ہو (۲) پھر ثبات قدم پیدا ہو (۳) جب یہ فعل قلب و فعل جوارح مکمل ہو تو پھر نصرت کے طلبگار ہو جو حاصل ہو کر رہیگی اور جو تمہارا قدرتی حق ہے وکان حقاً علینا نصر المومنین۔

اللہ سے التجا کرنے کی پہلی شرط یہ ہے کہ وسائل و ذرائع سے کام لو۔ واتوا البیوت من ابوابہا۔ اپنے آپ کو طاقتور بناؤ۔ واعدوا لہم ما استطعتم من قوۃ۔ دل کو مضبوط کرو، جب یہ خصائص حاصل ہو جائیں تو پھر اُن کے قائم رکھنے کیلئے دست بدعا ہو کہ نتیجہ میں کامیابی لازمی ہے۔ موجودہ حالت میں تم جس طرح دعائیں کرتے ہو اور جس طرح وہ دعائیں بے نتیجہ رہتی ہیں اُن کا مصداق یہ نہیں کہ شکوہ سے بھر سے اک داغ اثر کی ہے۔ آپ نے نام شکایت کا دعا رکھا ہے

آفتابِ قرآن کی چند شعاعیں

(مولانا شاہ محمد عبد الحامد قادری بدایونی)

قرآن مجید کی شکل میں ایک عالمگیر اور آخری پیغام تمام دنیا کے لئے نازل ہوا۔ اس کا مخاطبہ صرف عرب سے نہیں، ایران سے نہیں، ایشیاء سے نہیں، یورپ سے نہیں بلکہ تمام کرۂ ارض سے ہے۔ تمام دنیا کے قوانین و کتبِ الہامی کو ایک طرف اور صرف قرآنِ حکیم کو دوسری جانب رکھکر سنجیدگی سے موازنہ کیجیے کہ دنیا کا کوئی قانون بھی ہر زمانہ میں ہر ملک و قوم کی ضرورت و حاجت کے مطابق رہنمائی کرتا ہے؟ آپ کو ہر طرف سے مایوسی ہوگی البتہ فخر و عزت فقط قرآن مجید کو حاصل ہے کہ وہ وما ارسلناک الا کافۃ للناس کا اعلان کرتا ہے۔ بلاشبہ قرآنِ حکیم میں ہر قوم و ملت کی ضرورت و حالت کے مطابق تعلیمات موجود ہیں اور یقیناً وہی کتاب عالمگیر قانون کہلانے کی مستحق ہو سکتی ہے جس میں فطرتِ انسانی کے تمام پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہو تمدنی، معاشرتی، علمی، فنی، مسائل اور ہر قسم کی ضروریات پر بحث و ہدایت موجود ہو اور جس میں ایسی راہیں بتائی گئی ہوں جن کے ذریعہ سے انسان عالی الشان منزل پر پہنچ جائے۔ قرآن حکیم نے ہمیں یہ بھی بتا دیا ہے کہ دوسرے ادیان کی مانند اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ قرآنی قانون کے مطابق انسان ہر شئے سے مستفید ہو سکتا ہے۔

اقتصادیات | قرآن مجید نے اگر ایک طرف تزکیۂ نفس کیلئے نماز روزہ وغیرہ کی تلقین فرمائی تو دوسری جانب زکواۃ و خیرات کا زوردار اعلان فرما دیا۔ آج دیکھا جاتا ہے کہ مہذب دنیا میں باوجود قوانینِ ملکی کی ترتیب و تدوین کے قوموں کی اقتصادی و معاشی حالت دگرگوں ہے اگر ایک سمت سرمایہ داری کے رعونت خیز مظاہرے ہیں تو دوسری طرف فاقہ مستی اور مفلسی کے بدترین شواہد ہستی پیدا کر رہے ہیں۔ اگر قرآن حکیم کی ہدایت کے مطابق زکواۃ و خیرات یا خدائی انکم ٹیکس کے اصول پر عمل کیا جائے تو نہ سرمایہ داری کی موجودہ صورت باقی رہتی ہے اور نہ دنیا میں فلاکت و فاقہ کی کیفیت۔

طبقۂ اناث | قرآن پاک ہی نے غلامی کو دنیا سے مٹایا، عورتوں کو اُن کے جائز حقوق پر فائز کیا

یورپ میں جنسِ اناث و ذکور رقابت کے جوش میں باہم دست و گریبان نظر آتے ہیں۔ اس کا سبب بھی قرآنی احکام سے دوری ہے بعض نادان جاہل مسلمان مغربی تہذیب کے عشق میں کہہ دیا کرتے ہیں کہ اسلام نے عورت کو ذلیل کیا حالانکہ یہ واقعہ ہے کہ صرف قرآن پاک ہی ہے جس نے طبقۂ اناث کو انتہائی ذلت سے نکال کر اس کی حمایت و معاونت فرمائی وہ عورت جسے کسی مذہب میں کوئی حقِ امتیازی حاصل نہ ہو سکتا تھا قرآنی تعلیم نے اس بیکس و بے بس طبقہ کو گویا زندگی دوبارہ عطا کی۔

آج یورپین ممالک کے اعداد و شمار ظاہر کر رہے ہیں کہ وہاں عورتوں کی تعداد مردوں کی نسبت بہت زیادہ ہو گئی ہے جس کی وجہ سے عیاشی و بے حیائی بڑھ گئی ہے انکی عصمت عزت قائم رکھنے کیلئے کیا سوائے قرآن حکیم کے اس قانون کے جسے تعددِ ازدواج کہتے ہیں دوسرا حل نکل سکتا ہے ہرگز نہیں؟

گزشتہ جنگ عظیم میں جس میں مردوں کے خون سے یورپ کے میدان لالہ زار بنے ہوئے تھے سوائے تعددِ ازدواج کے اور کوئی شکل ہو سکتی تھی جس سے عیاشی و بدکاری دفع ہو؟

علوم و فنون اب علوم و فنون کے متعلق قرآن حکیم کی جامعیت دیکھئے کہ اس نے کس خوبصورتی سے اپنے الفاظ میں تمام علوم موجودہ و تحقیقات کا احاطہ فرمایا ہے صحیفۂ فطرت کا مطالعہ اور مناظرِ قدرت کا مشاہدہ علمی ترقی کی بنیاد ہے اس موضوع پر قرآن حکیم نے جس طرز و طریقہ سے اپنی ہدایات پیش فرمائیں دوسری جگہ اسکی نظیر نہیں مل سکتی۔

قرآن کریم نے صدہا مقامات پر کائنات و مخلوقات سے خدا کی ہستی اور قدرت پر استدلال کیا ہے اور جا بجا انسان کو اسکی ہدایت کی گئی ہے کہ وہ مناظرِ قدرت کا بغور مطالعہ کر کے خدا کی عظمت و جلالت پر یقین کرے۔

قرآن کریم بار بار تاکید کے ساتھ علوم کو ذہنی و روحانی علوم کا وسیلہ اور معرفتِ الٰہی کا ذریعہ قرار دیتا ہے۔

الغرض قرآن کے برکات لامحدود ہیں اس سمندر میں غوطہ لگانے والے کو سب کچھ ملتا ہے یہ دین کے ساتھ دنیا کو بھی لے جاتا ہے اور ایسی حکومت قائم کراتا ہے جو انسانی طاقت سے باہر ہے کاش مسلمان پھر ایک مرتبہ اس طرف متوجہ ہو جائیں تو دنیا کی کایا پلٹ ہو جائے۔

عبدیتِ الٰہی

مسلمانوں کی زندگی کا مقصد

مصلحت دید من آنست کہ یاران ہمہ کار
بگذارند و سر طرۂ یارے گیرند

مخلوقات کے خالق نے ہر اس چیز کو جس کو اس نے پیدا فرمایا خود ہی اس کی زندگی کا مقصد بھی متعین فرما دیا ہے پھر یہ کیونکر ممکن ہے کہ اشرف المخلوقات اور خلیفۃ اللہ انسان کی زندگی کا مقصد متعین نہ فرمایا ہو اور اس کے لئے انسان کو آزاد چھوڑ دیا ہو کہ اس کا جب جو جی چاہے کیا کرے۔

انسانوں کی زندگی کے مقصد کے متعلق ارشاد ہے وما خلقت الجن والانس الا لیعبدون اور یہی وہ انسانی زندگی کا مقصد ہے کہ جس زمانے میں جس قوم نے جس ملک میں اس کو فراموش کیا یا بدل ڈالا تو وحی آسمانی کا نزول ہوا اور اللہ کے کسی خاص بندے نے اس بھولے ہوئے سبق کو یاد دلایا۔ انہیں خاص بندوں میں نوح و ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ بھی تھے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی آیا اور اسی وحی آسمانی میں توریت انجیل بھی ہے اور قرآن مقدس بھی اور قرآن اس بات پر گواہ ہے کہ کوئی قریہ اور کوئی قوم بھی ایسی نہیں ہے جس کے اندر رسول نہ بھیجے گئے ہوں اور اللہ کا پیغام نازل نہ کیا گیا ہو۔

جس طرح دنیا کے اندر آقا اور ملازم ہوتے ہیں اسی طرح عبد کا تعلق بھی معبود برحق سے ہے اور اسی عبدیت کے قانون اور قواعد و ضوابط کو وحی آسمانی کے اندر بیان کیا جاتا ہے اور حقیقت میں انسان کی زندگی کا اصلی مقصد اسی کو ہونا ہی چاہئے تھا۔

دنیا کے اندر ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جن کی زندگی کا سرے سے کوئی مقصد ہی نہیں ہوتا اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اپنا لوقت ہوتے ہیں جب جیسا موقع آیا اپنی زندگی کو بھی اسی سانچے میں ڈھال لیا اور اکثر ایسے بھی ہیں جو اپنے کو مذہبی آدمی ظاہر کرنے کے باوجود نفس کو ذلیل کرتے ہوئے ضمیر کو دھوکا دیتے ہوئے پوشیدہ اور ظاہر طور پر اپنی زندگی کا آپ ہی مقصد متعین کرتے اور انہیں دم تک اسی پر قائم رہتے ہیں حالانکہ اُن کا اپنا متعین کیا ہوا زندگی کا مقصد ادنیٰ اور ذلیل ہوتا ہے جو انسانیت کے ماتھے پر بدنما داغ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان صورتوں میں یہی ہو بھی سکتا تھا کیونکہ خدا کا متعین کردہ زندگی کا اعلیٰ مقصد چھوڑنے کے بعد ادنیٰ ہی ہاتھ آئیگا اور قاعدہ ہے کہ جو جتنا زیادہ بلندی سے گریگا اتنا ہی زیادہ چوٹ کھائیگا

شنیده ام که سگان را قلاده مے بندی
چرا بگردن حافظ نمی کنی رسنے

یہ تو جو کچھ کہا گیا یہ عام انسانوں کی زندگی کے مقصد کے لئے تھا لیکن مسلمانوں کی زندگی کا مقصد اس سے بھی زیادہ اعلیٰ ہے، ارشاد ہے

كنتم خير امة اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنهون عن المنكر	(اے امتِ محمدیہ صلعم) تجھے بہترین امت اس لئے بنایا گیا ہے تاکہ تو لوگوں کو نیک باتوں کا حکم کرے اور بُری باتوں سے روکے۔

گویا مسلمان قوم اس لئے نہیں ہے کہ فقط اپنی ہی سلامتی کے لئے زندگی بسر کرے بلکہ اس کا ایک اور فرض ہے کہ دوسری قوموں کی کشتی کو بھی منزلِ مقصود تک پہنچانے کے لئے دنیا میں زندگی بسر کرے۔ ایک مسلمان کی زندگی کا مقصد یہ ہے کہ وہ قرآن کا پیامی ہو اور اسلام کا سپاہی ہو۔

یہ نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص مسلمان بھی ہو اور اس کی زندگی کا مقصد کالج اور مدرسہ کی پروفیسری اور معلمی بھی ہو اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص مسلمان بھی ہو اور اس کی زندگی کا مقصد بی۔ اے، ایم۔ اے

کی ڈگریاں حاصل کرنا اور دفتروں کی ملازمت کرنا ہو اور یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ اُس کی زندگی کا مقصد
کاشتکاری و تجارت اور دنیا کی ترقی تک محدود ہو اور پھر یہ بھی نہیں ہو سکتا کہ ایک شخص اپنے کو مسلمان بھی کہتا
ہو اور اسلام کی ساری باتوں سے انحراف بھی کرتا ہو اور اگر ایسا ہے تو یہ اُس کا من مانا اسلام ہے اپنا متعین کردہ
زندگی کا مقصد ہے اور یہی باتیں جب آگے کو بڑھ جاتی ہیں تو فرعونیت اور نمرودیت کا درجہ حاصل کر لیتی ہیں

علمائے کرام و واعظین عظام اور اہل قلم حضرات کو اس طرف خاص توجہ کرنی چاہیئے کہ آج مسلمانوں کے
لئے جو بہتری کی کوئی تدبیر راس نہیں آتی ہے اس کا ایک بڑا سبب یہی ہے کہ اُنھوں نے انفرادی طور پر اپنا
اپنی زندگی کا آپ مقصد متعین کر لیا ہے اور یہ جب تک باقی رہے گا کوئی علاج شفا بخش ثابت نہ ہوگا۔

یہی انجمنیں، ایسے اخبارات و رسائل اور ایسے واعظین اور مقررین کو ہی سب سے پہلے ٹوکنا چاہیئے اور
اُن ہی کی سب سے پہلے اصلاح کرنی چاہیئے جن کی زندگی کا مقصد مسلمانوں کے لئے خود ہی دھوکا بنا ہوا ہے۔

ہر کسے ناصح برائے دیگران
ناصح خود کم بود اندر جہان

مسلمانوں کے ان ہمدردوں کو اور اُن بزرگوں کو جن کو واقعی اسلام اور مسلمانوں کا خیال ہے
اپنے مشوروں اور اپنے مواعظ سے سب سے پہلے مسلمانوں کی زندگی کے مقصد کو ہی یاد دلانا چاہیئے اور جب
ایک کام ہو جائے گا تو اُن کے اندر صلاحیت پیدا ہو جائیگی اور پھر جو کچھ اُن سے کہا جائیگا قبول کرینگے اور کر سکیں گے۔

قرآن مجید مسلمانوں کی زندگی کے مقصد کو بتاتا ہے اور پھر اُس کو پورا کرنے کیلئے ابھارتا اور آمادہ
کر دیتا ہے اس لئے سو تدبیروں کی ایک تدبیر یہ ہے کہ اُن کو اس طرف متوجہ کر دیا جائے۔

جیسا کہ میں نے اس سے پہلے بھی کہا ہے آج بھی کہتا ہوں کہ کم سے کم واعظین کرام صرف ایک سال
تک جب وعظ و تلقین کا موقع آجائے تو مسلمانوں کو قرآن کے علم و عمل کی طرف توجہ دلائیں اور یہ متفقہ
آواز ہو اور مسلسل پھر میرا دعویٰ ہے کہ آج کی طرح سے بے نتیجہ، بے ثمر اور انتشار و پریشان خیالی کا منظر سامنے

نہ ہوگا جیسا کہ ہر سال ہو رہا ہے۔ انشاء اللہ اس ایک ہی برس میں قوم ایک چیز سے گی ایک بات سیکھے گی اور یہ ایک چیز ایسی ہے کہ اگر اس کو ایک مرتبہ اختیار کر لیا گیا تو ساری بگڑی بنی ایک وقت بن جائے گی۔

بہر حال مسلمانوں کی زندگی کا مقصد متعین ہونا چاہیے اور یہ وہی ہو جس کو ان کے پیدا کرنے والے نے متعین کیا ہے اور ظاہر ہے کہ وہ سوائے قرآن کے اور کہیں نہیں مل سکتا بس قرآن مجید کی تعلیم معنی و مطلب کے ساتھ عام اور لازمی کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

اپنے آقا سے

اے میرے آقا تو کہاں ہے؟ میں تیرا بندہ ہوں تو مجھے مل جا! اور بتا دے کہ میں تیری بندگی کیوں کر ادا کر دوں!

آقا! اے میرے آقا! ! ذرے صحرا سے جدا ہو کر کھوے جاتے ہیں، قطرے دریا سے الگ ہو کر فنا ہو جاتے ہیں، پھول شاخوں سے ٹوٹ کر کملا جاتے ہیں اور خوشبو پھولوں سے نکل کر آوارہ ہو جاتی ہے اسلئے میں تیری مسلسل بندگی اور تیرا متصل وصل چاہتا ہوں! !

میرے پیارے آقا میری ساری تمنائیں اور میری ساری آرزوئیں اس میں پوشیدہ ہیں کہ تو ایک بار اپنے آقا کہنے کی اجازت دیکر میری عبدیت کی تکمیل فرمادیگا! ! !

"مصلح"

حقیقی بندہ

جسنے اپنے آقا کی صحبت پر صبر نہ کیا اللہ اُس کو غلاموں کی صحبت میں مبتلا کر یگا اور جسکی امیدیں اپنے مالک کے سوا سب سے منقطع ہوگئیں وہی حقیقت میں بندہ ہے۔

"حضرت شیخ ابو عمرو عثمانؒ"

حضرت سلیمان علیہ السلام

حضرت سلیمان علیہ السلام کے اس پرحکمت اور مقدس قصے سے جہاں اور بہت سے فائدے کی باتیں معلوم ہوتی ہیں حکومت الٰہی کا بھی عملی سبق ملتا ہے۔ اس لئے پڑھنے والوں کو چاہئیے کہ وہ بھی اسی نیت سے اسی رنگ میں اس کو غور کے ساتھ پڑھیں اور عمل کریں۔

وَلَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا۔ الیٰ آخر رکوع سورت النحل رکوع (۲)

حضرت سلیمان اپنے باپ داؤد علیہ السلام کے بعد تخت نشین ہوئے ابھی آپ کمسن ہی تھے کہ ایک عجیب و غریب طرح پر ایک مقدمہ کا فیصلہ کیا جس کا ذکر قرآن مجید میں موجود ہے۔ یہ وہ جلیل الشان پیغمبروں سے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے دین کی بادشاہی کے علاوہ دنیا کی عظیم الشان بادشاہت بھی دی تھی۔ آپ کی دعا تھی کہ اے اللہ مجھکو ایسی بادشاہت عطا فرما جو ہمارے بعد کسی کو نہ ملے۔ اسی سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ خدائی حکومت کے طفیل سے آپ کو کیا کچھ نہ ملا ہوگا۔

حیوانات اور ہوا پر قبضہ

علم کی یہ انتہا تھی کہ حیوانوں کی بات سمجھتے تھے اور ان سے ہم کلام ہوتے تھے اور اختیارات اتنے وسیع کہ جنات اور ہوا پر قبضہ تھا جب سلیمان علیہ السلام کا تخت نکلتا تھا تو ہوا پر چلتا تھا اور خوبصورت پرندے ان پر اپنے پروں کا سایہ کئے ہوتے تھے۔

اگرچہ آج بھی ہوائی جہاز کے بنانے والے ہوا کو مسخر کئے ہوئے ہیں لیکن قرآن مجید جس تسخیر کی طرف اشارے کر رہا ہے وہ اس سے بہت اعلیٰ و ارفع ہے۔ یہاں کل پرزے کی محتاجی ہے وہاں اسباب

بے نیازی تھی یہاں یہ ہو کہ اگر ذرا سی غفلت ہو جائے بالکل پرزے میں خرابی آجائے تو قصہ پاک ہے اور وہاں ہوا ہی زیر فرمان بھی تھی اور نگہبان بھی۔ خواہش مشتری تھی جب جی چاہا کہ ہوا تیز ہو تیز ہو گئی اور جب ضرورت ہوئی کہ نرم ہو نرم ہو گئی پھر مسافت اس سرعت کے ساتھ طے ہوتی تھی کہ صبح کو سیر کو نکلے تو یمن پہنچ گئے اور شام کی سیر کو نکلے تو شام میں موجود ہے اور بعض وقت تو ایسا بھی ہوا ہے کہ آنکھ جھپکنے میں بادشاہ ملک کی چیز دوسرے ملک میں آ گئی ہے۔ مزید برآں آپ کا تخت بھی کوئی چھوٹا موٹا تخت نہ تھا بلکہ اتنا لانبا چوڑا کہ فوج کی فوج اس پر سوار ہوتی تھی۔

معدنیات

معدنیات کے چشمے ابل پڑے تھے اور آسانی کے ساتھ جو چیز چاہتے اس سے بنا لیتے تھے۔ جس جگہ زمین میں خزینہ ہوتا تھا وہ زمین خود آواز دیتی تھی کہ مجھ میں مال ہے نکالو۔ دریا کے موتی نکال لئے اور عالیشان عمارتیں اور قلعہ جات بنانے کے لئے خاص خاص طاقتیں تھیں جو آن واحد میں سب خواہش ان کو انجام دیتی تھیں۔ غرضیکہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے عہد بادشاہی کے علوم اور ان کا معرفت جس قدر عام اور ترقی یافتہ تھا وہ آپ اپنی نظیر ہے۔

وادی النمل

ایک مرتبہ آپ کا گزر چیونٹیوں کی بستی میں ہوا۔ چیونٹیوں کے سردار نے اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہا اے چیونٹیو اپنے اپنے گھروں میں داخل ہو جاؤ سلیمان کا لشکر آ رہا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ بے خبری میں وہ تم کو روند ڈالیں۔ سلیمان علیہ السلام اس کی یہ بات سن کر ہنس پڑے اور شاہ مور کو پکڑ کر پوچھا کہ تو نے مجھ میں اور میرے لشکر سے کوئی ظلم دیکھا جو ایسی بات کہی۔ شاہ مور نے کہا یا نبی اللہ میں نے اپنی رعیت پر شفقت اور مہربانی کے خیال سے اور احتیاطاً ایسا کہا ورنہ آپ یا آپ کے لشکر نے کسی پر کوئی ظلم نہیں کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پوچھا کہ کیا تم لوگوں کا یہی دستور ہے اور ہمیشہ اس طرح کی شفقت کیا

کرتے ہو۔ اُس نے جواب دیا کہ یا نبی اللہ ہمارا یہی دستور ہے ایک کی خوشی سے دوسرے کو خوشی اور ایک کے غم سے دوسرے کو غم ہوتا ہے اپنی خوشی میں اُن کو شریک کرنا اور دوسرے کے غم میں اُن کی غمخواری کرنا ہم پر لازم ہوتا ہے اللہ تعالیٰ نے ہم کو ان کا بادشاہ اسی لیے کیا ہے اتنا کہ جب ایک چیونٹی نہیں مرجاتی ہے تو اس کو وہاں سے اٹھوا کر اس کے گھر پر پہنچوانے کا بھی انتظام ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا اے نملہ تو مجھے بہت عقلمند معلوم ہوتی ہے کچھ نصیحت کر اُس نے کہا یا حضرت آپ کو اللہ تعالیٰ نے پیغمبری بھی دی ہے اور بادشاہی بھی لازم ہے کہ آپ اپنی رعیت کی نگہبانی کریں اور عدل و انصاف سے سب کو خوش رکھیں ظالم سے مظلوم کو داد دو ہم میں ضعیف و مسکین ہوں مگر ہماری رعیت میں سے کوئی کسی پر ظلم نہیں کر سکتا حضرت سلیمان علیہ السلام نے اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا اور دعا کی کہ اے میرے رب میرے دل میں ڈال دے اور مجھے توفیق دے کہ میں تیرا شکرگزار بندہ بنا رہوں نیک کام کروں جس سے تو راضی ہے اور تیری رحمت کا مستحق ہو کر تیرے خاص بندوں میں شریک رہوں۔

ملکہ سبا اور ہدہد کی جاسوسی

حضرت سلیمان علیہ السلام کا علم اور انتظام اس قدر وسیع اور مستحکم تھا کہ ایک دن ہدہد کو غائب پایا تو فوراً دریافت کیا کہ ہدہد نظر نہیں آتا اور اس بغیر اجازت غیر حاضری کا اگر معقول سبب وہ نہ بتائیگا تو سزا کا مستحق ہوگا۔ ہدہد آیا تو آپ نے اس غیر حاضری کا سبب دریافت فرمایا ہدہد نے جواب دیا کہ یا نبی اللہ میں ایسے شہر سے آرہا ہوں کہ اس کی آپ کو بھی خبر نہیں ہے۔ اس ملک پر ایک عورت حکمران ہے وہ کنواری ہے اور اس کا نام بلقیس ہے۔ اس کی حکومت میں سب کچھ ہے اور اس کا ایک تخت ہے جس کی خوبی اور بڑائی کیا عرض کروں یہ سب کچھ ہے لیکن وہاں کے باشندے آفتاب کی پرستش کرتے ہیں شیطان نے ان کی بدعملیوں کو زینت دے رکھا ہے اس لئے وہ راہ راست سے بے خبر ہیں حالانکہ پرستش کا مستحق صرف وہ اللہ ہے جو آسمان و

زمین کی پوشیدہ چیزوں کو باہر لاتا ہے ظاہر ہو یا پوشیدہ سب کو جانتا ہے۔ وہ اللہ جس کے سوا کوئی پرستش کے لائق نہیں جو عرش عظیم کا مالک ہے۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے کہا! ہم تیری صداقت کا امتحان کرتے ہیں، ہمارا خط لے کر جا اور ملکہ کے پاس ڈال کر پوشیدہ ہو جا اور دیکھتا رہ کہ وہاں کے لوگ اس کے متعلق کیا کرتے ہیں۔ ہدہد نے ایسا ہی کیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ملکۂ سبا کے نام

حضرت سلیمان علیہ السلام کا خط ملکۂ سبا کے نام یہ تھا:-

اِنَّهٗ مِنْ سُلَيْمٰنَ وَاِنَّهٗ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝ اَلَّا تَعْلُوْا عَلَيَّ وَاْتُوْنِيْ مُسْلِمِيْنَ ۝

یہ خط سلیمان کی طرف سے ہے جو اللہ کا رسول ہے اور بیشک اس کا آغاز اس اللہ کے نام سے ہے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ اس کے بعد تم کو معلوم ہو کہ تم میرے مقابلہ میں تکبر نہ کرو اور ہم سے اس حال میں ملو کہ مسلمان ہو۔

ملکۂ سبا کا جواب

قَالَتْ يٰۤاَيُّهَا الْمَلَؤُا اَفْتُوْنِيْ فِيْۤ اَمْرِيْ الی آخر رکوع

ملکۂ سبا نے حضرت سلیمان علیہ السلام کے خط کو اپنے اعیانِ سلطنت کے سامنے پیش کیا اور اس اہم معاملہ میں ان سے رائے طلب کی۔ پہلے تو ان لوگوں نے اپنی قوت کا اظہار کر کے یہ جتایا کہ اگر ہماری قربانیوں کی ضرورت ہے تو یہ بھی ممکن ہے اور اخیر بات یہ ہے کہ باوجود اس کے آپ کو اختیار ہے جو مناسب سمجھیں کریں ہم سب اس کو بسر و چشم بجا لائیں گے۔

ملکہ نے اعیانِ سلطنت سے کہا! والیانِ ملک جب کسی بستی میں داخل ہوتے ہیں تو اس کو تہ و بالا

کر دیتے ہیں اور وہاں کے عزت والوں کو ذلیل کر ڈالتے ہیں اور ممکن ہے کہ سلیمان علیہ السلام بھی ایسا ہی کریں۔ تا ہم فی الحال میں اس بات کی ایک دوسری طرح پر آزمائش کرتی ہوں اور اس پر اپنے آخری فیصلہ کو انحصار کرتی ہوں۔

ملکہ سبا نے کچھ بیش قیمت ہدیے حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس روانہ کئے جس کا مطلب تھا کہ اگر سلیمان علیہ السلام نے ان تحفے تحائف کو قبول کر لیا اور خاموش ہو کر رہ گئے تو سمجھ لیا جائیگا کہ یہ ایک دنیوی بادشاہ ہیں جن کو مال کا لالچ ہے پھر ان سے لڑائی کرنے میں مضائقہ نہیں اور اگر نہیں قبول کیا تو معلوم ہو جائیگا کہ یہ خدا کے سچے رسول ہیں پھر ان سے جدال و قتال میں غالب آنا ممکن نہیں اور سچائی کو قبول کر لیا جائے گا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جب یہ تحفے پہنچے جو بمنزلہ ایک رشوت کے تھے تو آپ نے الٹے پاؤں اس کو واپس کرایا اور کہلا بھیجا کہ جو کچھ میرے خدا نے مجھ کو دے رکھا ہے اس کے مقابلہ میں یہ حقیر چیزیں کوئی حقیقت نہیں رکھتیں میں نے جو کفر و شرک سے روک کر اسلام پیش کیا ہے اصل مقصد یہی ہے اگر اس کو قبول نہیں کیا تو ہم ایسی فوجیں روانہ کرتے ہیں جس کا مقابلہ ناممکن ہوگا اور تمہارے لوگ ذلت کے ساتھ گھروں سے نکال دیئے جائیں گے پھر غلامی کے سوا کوئی چارہ کار نہ ہوگا۔

ملکہ بلقیس حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں

ملکہ سبا کے ایلچی نامراد واپس آئے اور اپنی آنکھوں سے جو دبدبہ اور نشان دیکھ کر آئے تھے اس کے علاوہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے ... اللہ ... دکھلائے تھے جن کو سن کر ملکہ سبا کو یقین ہو گیا کہ یہ خدا کے سچے پیغمبر ہیں ان سے خود ملنا چاہتا ... عبادت کو قبول کر کے اسلام کرنا چاہیے چنانچہ مع خدم و حشم کے ساتھ ... کوچ ہوا ابھی یہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ ہوائی ... پہنچ گئی اور ہوا نے خود ہی اس پیغام کو حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں پہنچا دیا کہ ملکہ سبا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا چاہتی ہے

حضرت سلیمان علیہ السلام نے چاہا کہ وہ عالیشان شاہی تخت جس کو ملکۂ سبا اپنے وطن میں چھوڑکر آرہی تھی ملکہ کے آنے سے پیشتر اس کا تخت یہاں موجود ہو جائے ایک قوی ہیکل جن نے کہا! کہ میں لادوں گا اس سے پیشتر کہ آپ اپنے اجلاس سے اٹھیں میں اس کام کو پورا کردونگا اور میں امانت دار بھی ہوں اور بہت قوی بھی اتنے میں ایک دوسرا اللہ والے شخص نے کہا! میں اس سے بھی پہلے اس کام کو انجام دیدونگا یعنی آپ کی آنکھ جھپکنے سے پہلے آپ کے سامنے اس تخت کو منگوادونگا چنانچہ ایسا ہی کردکھایا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام نے پہلے تو اس پر بھی اللہ تعالیٰ کی شکر گزار بندوں کی طرح حمد و ثنا کی پھر تخت میں چند تبدیلیاں کردیں تاکہ ملکہ سبا کی دانشمندی کو آزمائیں جب ملکہ کی سواری بھی آپہنچی تو آپ نے تخت کی طرف اشارہ کرکے فرمایا! کیا تمہارا تخت بھی ایسا ہی ہے ملکہ نے جواب دیا کہ گویا اسی طرح کا ہے اور پھر یہ کہا! آپ کے اس معجزے کے دیکھنے سے پہلے ہم لوگ آپ پر ایمان لا چکے ہیں۔

حضرت سلیمان علیہ السلام شیش محل میں رونق افروز تھے اور اس کے سامنے کا فرش صاف شفاف آئینہ کا تھا ملکہ سبا نے وہاں پہنچکر اپنی پنڈلیوں سے جھپکر وہ کپڑا اوپر اٹھایا کہ پانی ہے۔ تو حضرت سلیمان علیہ السلام نے پکار کر کہا! چلی آؤ! پانی نہیں یہ تو شیشوں سے بنایا ہوا مکان ہے۔ اب ملکہ سبا بلقیس کو حضرت سلیمان کی صداقت پر اور بھی ایمان ہوگیا اور اتنک اپنے مسلمان ہونے پر یقین کیا! اور سمجھ لیا کہ جسطرح ہماری عقل دنیا کے معاملہ میں قصور کرتی ہے اور حضرت سلیمان علیہ السلام میں پورا ہے اسیطرح دین کے معاملے میں بھی جو یہ سمجھتے ہیں وہ نا صحیح ہے۔ تفسیروں میں یہ بھی لکھا ہے کہ ملکہ سبا یعنی بلقیس سے حضرت سلیمان علیہ السلام نے شادی کرلی تھی۔

بیت المقدس کی تعمیر | حضرت سلیمان علیہ السلام نے بیت المقدس کی تعمیر کرائی اور اس کو

بڑے پیمانہ پر نہایت تزک و احتشام کے ساتھ زینت دی ایک دن ایک گنبد میں جو شیشہ کا بنا ہوا تھا اپنی عصا پر ٹیکا دیے ہوئے کھڑے تھے کہ عزرائیل علیہ السلام نے دنیا سے کوچ کا پیام دیا۔

حضرت سلیمان علیہ السلام کی وفات

فلما قضینا علیه الموت ما دلهم علی موته الا دابة الارض تاکل منساته فلما خر تبینت الجن ان لو کانوا یعلمون الغیب ما لبثوا فی العذاب المهین۔

اجنہ کا عقیدہ تھا کہ غیب کا علم بندوں کو بھی ہوتا ہے اس لیے سلیمان علیہ السلام کا وصال ایسی حالت میں ہوا کہ جنوں کو اپنے عقیدے کی غلطی معلوم ہو گئی۔

حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی عصا کا ٹیکہ لگائے اسی طرح کھڑے تھے کہ ملک الموت نے روح قبض کر لی اور کامل ایک سال تک لاش اسی شکل میں باقی رہی جب دیمک نے عصا کو کھا لیا تو آپ کی لاش زمین پر آ رہی۔ اس اثنا میں بیت المقدس کی تعمیر جاری رہی کیونکہ کام کرنیوالے سمجھتے رہے کہ آپ زندہ ہیں اور ہر روز ہمارے کام کو دیکھتے رہتے ہیں اس کے بعد معلوم ہو گیا کہ یہ اُن کی غلطی تھی اور اگر وہ غیب کی خبر کو جانتے تو ان کی موت سے بھی آگاہ ہو جاتے اور اس کام کے کرنے کی مصیبت میں مبتلا نہ رہتے۔

یَآیُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِیْمِ

جامۂ عبدیت ہی چاک ہو یہی کا دور ہے
شانِ بلالؓ کہیں ڈھنگ ہی اور نہ طور ہے

شیوۂ بندگی کہاں حشیۂ آذری کہاں
بولہبی کچھ اور ہے شانِ بلالؓ اور ہے

اُمتِ خیر کا یہی طغرۂ امتیاز ہے ؟؟؟
بات کلامِ پاک کی لائقِ فکر و غور ہے

"مصلح"

محبتِ الٰہی

سب سے پیارا

(مولانا عبدالقدیر صدیقی حسرت حیدرآبادی)

سب سے پیارا اللہ ہو — رہرو ہمارا اللہ ہو
خیر و شر کا مالک ہے — سب کا سہارا اللہ ہو
اس کو کمی کس شئی کی ہے — جس نے پکارا اللہ ہو
مونسِ کنجِ تنہائی — انجمن آرا اللہ ہو
راحتِ جانِ محزوں ہے — آنکھوں کا تارا اللہ ہو
باطل کا اڑ جائے رنگ — گر ہو اشارا اللہ ہو
دردِ جدائی وہی تو ہے — وہی ہے چارا اللہ ہو
ہستیِ وہمی کو کر دے — پارا پارا اللہ ہو
خرمنِ ہستی پھونک بھی دے — بن کے شرارا اللہ ہو
کیوں نہ جپیں صبح و مسا — ہجر کا مارا اللہ ہو

راحتِ جانِ حسرت ہے
سب سے پیارا اللہ ہو

محبت کس سے کرنی چاہیئے

(مولانا صوفی سید شاہ عبدالقادر صاحب۔ حیدرآبادی)

محبت کے دو سبب ہیں حسن اور احسان جو کوئی کسی کا گرفتار ہوتا ہے وہ انہی دو زنجیروں میں سے کسی ایک زنجیر کا اگرچہ یہ دونوں زنجیریں کشش میں باہم دگر یکساں ہیں مگر بعض حسن کو اور بعض احسان کو ترجیح دیتے ہیں لیکن اہل تحقیق کی نظر میں دونوں کے جلوے یکساں نظر آتے ہیں۔

صاحب حسن کو حسین اور صاحب احسان کو محسن کہتے ہیں اور ان دونوں کو محبوب مطلوب اور معشوق کے معزز اور پیارے خطاب سے یاد کیا جاتا ہے اسی طرح ان کے مبتلا اور گرفتاروں کو طالب محب اور عاشق کے نام سے پکارتے ہیں۔

حسین کامل وہ ہے جس کے جلوے اور مشاہدے سے عاشق کے جملہ حواس ظاہری و باطنی اپنی اپنی جنت میں داخل ہو جاتے ہیں کیونکہ یہ مشہور و محسوس عالم درحقیقت دس عالموں سے مرکب ہے اور رب العالمین کے بھی یہی معنی ہیں دس عالم جن کا اوپر ذکر ہوا ان میں سے پانچ ظاہری اور پانچ باطنی۔ مبصرات، مسموعات، مذوقات، مشمومات اور ملموسات کو ظاہری اور معقولات، متخیلات، تصورات، توہمات اور تفکرات کو باطنی سے موسوم کرتے ہیں۔ خداوند تبارک و تعالیٰ نے ان میں سے ہر عالم کے مقابلے میں ایک حس پیدا کی ہے اور ہر عالم کو اس حس کی جنت قرار دیا ہے اور کوئی حس کسی دوسرے حس کو اپنی جنت میں داخل نہیں ہونے دیتا۔

کامل الحسن حسین کی جو تعریف بیان کی گئی ہے وہی کامل الاحسان محسن کی بھی ہے اس کے احسان سے عاشق کے حواس عشرہ زیربار منت بن جاتے ہیں چونکہ یہ ہر دو صفات کی جامع صرف خدائے پاک کی مقدس ذات ہے اس لئے وہی حقیقی محبوب اور حقیقی معشوق ہے۔

اب اگر کوئی شخص کسی دوسرے سے دل لگاتا ہے تو وہ ایک دوسرے قسم کا دیوانہ نادان ہے اور سراسر نقصان

میں ہی کیونکہ کسی محبوب میں ہر دو صفات مذکورہ بالا کا ممکن ہی کہ پائے جائیں اور جب نہیں ہیں تو حسن خوبی کی حس محبوب میں کمی ہی اور محب کا حسن اس کے مقابل کا ہی اس لیئے وہ کمی دوزخ کی مصداق ہی۔

اسکو یوں ہی سمجھا جا سکتا ہی کہ قوی بحس انسان کے کسی حصہ جسم میں اگر ایک سوئی کی نوک بھی چبھ جاتی ہے تو اسکا سارا جسم اذیت کو محسوس کرتا اور اپنی اپنی جگہ پر بیقرار ہو جاتا ہی پس اسیطرح اگر کسی حسین کے شاہد میں ایک حس بھی کراہت کی دوزخ میں ہو تو جملہ حواس عشرہ کو درد و الم میں شریک و سہیم ہونا پڑیگا اور اگر شریک نہ ہوں تو فالج زدہ یا ناکارہ ہیں جن پر حس کا اطلاق نہیں کرنا چاہیئے اسلیئے ہم اس حس کے انسان کو مردہ تو نہیں کہہ سکتے لیکن زندہ بھی نہیں کہیں گے۔

فرض کیجیئے کہ آپ کا ایک محبوب ہے جو رنگ و روپ شکل و وضع وغیرہ میں نہایت ہی بہتر ہے اور جسکا حسن عالم مبصرات کا بہترین نمونہ ہے اور جسکے مشاہدے میں آپ کی حس بصر مستغرق اور اپنی جنت میں داخل ہے لیکن اس کی آواز میں خشونت اور کراہت ہے تو آپ کے بقیہ حواس اسکے مشاہدے میں بیقرار ہونگے کیونکہ ان کیلیئے یہ چیز دوزخ کا کام کریگی اور اگر آپ کو ان چاروں حسوں کے اذیت کی خبر نہیں ہے تو آپ حواس باختہ اور مفلوج ہیں یہی مثال بقیہ عوالم اور احساسات کی بھی سمجھ لینی چاہیئے ایسا شخص اگرچہ اس نعمت کو سب کچھ سمجھ ہمیشگی کی دعا مانگے لیکن یہ دعا خواب کے اندر اس قیدی کی دعا ہوگی جو اپنے کو آزاد سمجھکر اس کے دوام کی دعا مانگ رہا ہو اور جب آنکھ کھلے تو اپنے کئے پر پچتائے یہی حال غیر اللہ سے محبت کرنیوالوں کا ہوگا۔ مرنیکے بعد جب ان کی آنکھ کھلے گی تو حرص و ہوا کے قید و بند میں جکڑا ہوا اپنے کو پائیں گے اور کہیں گے۔ یلیتنی کنت ترابا۔

پس خوش قسمت عاشق وہ ہیں جن کو اپنے پیدا کرنے والے سے محبت ہو جو کامل الحسن بھی ہے اور کامل الاحسان بھی اور یہ سب قرآن مجید کے ذریعہ سے ہی ممکن ہے۔

محبت اسی سے کرنی چاہیئے جس کو سب سے زیادہ ہم سے محبت ہے، اور جو ہمارا سب سے بڑا محسن ہی۔

مصلح

امام احمد بن حنبل رض

امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ

اُمتِ محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم میں حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا جو مرتبہ ہے وہ محتاجِ بیان نہیں، العلماء ورثۃ الانبیاء اور علماء اُمتی کانبیاء بنی اسرائیل کے آپ حرف بحرف مصداق تھے حق کے معاملہ میں تنہا ایک طرف آپ کا سینہ تھا اور دوسری طرف وہ عظیم الشان بادشاہوں کی پوری طاقت کا صرف ہونا اور پھر فتح کا سہرا آپ کے سرِ مبارک پر باندھا جانا قرآن مقدس کی ان آیتوں کی پوری پوری تصدیق ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی نصرت کے وعدے ہیں۔

آج جب کہ حکومتِ الٰہی کا ذکر تک نہیں دینِ حق کے غلبہ کا خیال تک نہیں اور قرآن مجید کی سچی عظمت وشان اور اس کے صرف صحیح کے لیے عموماً علمائے زمانہ کے اندر کوئی تڑپ نہیں امام موصوف کی زندگی کے اس حصّہ کا اعادہ نہایت مناسب ہے جو قرآن مجید کے صرف ایک عقیدے کی حفاظت کیلیے آپ نے اپنی قلعہ بند صرف کی۔

مسئلہ خلقِ قرآن

مسئلہ خلقِ قرآن کی ابتداء مامون نے ۲۱۲ ہجری میں کی اور ۲۱۸ ہجری میں سب سے اس پر زور دیا اور ۲۳۴ ہجری کے اخیر تک اس کا سلسلہ جاری رہا اگرچہ اس کا زور واثق باللہ کے زمانہ میں ٹوٹا مگر جعفر متوکل نے احکام جاری کرکے ہمیشہ ہمیشہ کیلیے اس فتنہ کو فرو کیا۔ اس مدت میں معلوم نہیں کتنے محدثین نے حق کی حفاظت میں اپنی جانیں دیدیں۔

معتزلہ نے اس مسئلہ کو مذہبی رنگ میں پیش کیا کہ اگر قرآن غیر مخلوق ہو تو خالق کے ساتھ شرک لازم آتا ہے۔ اسی لیے مذکورہ بالا سلاطین نے اس کے انسداد کو اپنا مذہبی فرض سمجھا، اور اتنی بڑی غلطی کے مرتکب ہوئے کہ شاید اُن کے نامۂ اعمال میں سب سے زیادہ نمایاں جگہ اسی معصیت کو ملی ہوگی۔

قاضی احمد بن دواد نے جو علمِ کلام میں متبحر اور معتزلہ کا سرگروہ تھا، مامون کو سمجھایا کہ کلام اللہ مخلوق ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْاٰنًا عَرَبِيًّا اور جعل کے معنی پیدا کرنے کے ہیں جیسا جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْر سے ظاہر ہے۔ مامون نے بھی اپنے عقیدے میں اس کو داخل کر لیا اور مستعد ہو گیا کہ وہ یا تو فقہا اور محدثین سے اس مسئلہ کو منوا کر رہیگا یا ان سب کا خاتمہ کر دیگا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ یقیناً ایسا کر سکیگا کیونکہ سکوت کا زعم باطل اسی کا متقاضی تھا مگر اس کے جانشینوں نے اور ان کے ساتھ ساری دنیا نے دیکھ لیا کہ وہ ایسا نہیں کر سکا بلکہ وہ خود اور اس کی سلطنت مٹ گئی لیکن صرف ایک حق پرست کی بدولت حق باقی رہ گیا۔

مامون نے شاہی حکم کے ذریعہ سے فقہا اور محدثین کو طلب کیا اور اُن کا مسئلہ خلق قرآن کے متعلق عقیدہ دریافت کیا۔

فقہا اور محدثین

ایسے موقع پر بے چارے حکومت کے علما تو کس شمار میں ہوتے ہیں وہ جن کو بادشاہت سے دور کا علاقہ بھی نہ تھا ان میں سے بھی بعضوں نے بالکل سکوت اختیار کیا اور بعضوں نے کہا کہ قرآن مجعول ہے۔ مگر چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو مخلوق نہیں کہا! اس لئے ہم بھی نہیں کہہ سکتے لیکن جب سختی کے ساتھ حاکم کو دوسرا حکم ملا کہ جو لوگ صاف صاف قرآن کو مخلوق تسلیم نہیں ان کو قتل کر دیا جائے تو پھر ان کے پاؤں میں بھی لغزش آگئی اور اپنی جان بچانے کے لیے کہہ دیا کہ قرآن مخلوق ہے۔

حضرت امام کا عزم و استقلال

ایسے وقت میں جب کہ وہ فقہا اور محدثین بھی جن کا شمار امت کی پہلی صف میں تھا ایک ایک کر کے علیحدہ ہو گئے، کوئی

بھی راہِ حق پر ثابت قدم نہ رہ سکا سب نے اپنی اپنی پناہ کے لئے کوئی نہ کوئی حیلہ تلاش کر لیا شاہی عقوبت کے خوف نے ہر ایک کے قدم ڈگمگا دیئے، اخیر دم تک کے لئے صرف امام احمد بن حنبلؒ تھے جنہوں نے صاف انکار کر دیا اور محمدؐ کے دین کو صلم تنہا اپنی اس پشت پر جس پر کوڑے پڑنے والے تھے اٹھا کر بچا لینے کے لئے آمادہ ہو گئے۔ ذٰلِکَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ۔

امام احمد بن حنبلؒ کو اللہ تعالیٰ نے روزِ ازل سے ہی اس مقصد کے لئے منتخب فرمایا تھا۔ آپ کو حق پرستوں کی امامت کرنی تھی آپ قرآن کے شیدائی تھے اور آپ کی صحیح نگاہ ہر وقت قرآن پر تھی۔ تخشی الناس واللہ احق ان تخشاہ کو آپ خوب سمجھتے تھے اور یدعون ربہم خوفاً وطمعاً کو اچھی طرح جانتے تھے اس لئے آپ سے ہونا بھی یہی چاہیے تھا جس کا آپ نے اپنے کو دو وقار عزم و استقلال سے اظہار فرمایا۔ رضی اللہ عنہ

قدرت کے کرشمے بھی عجیب ہیں ان فقہا اور محدثین نے جس چیز کا سہارا لیا تھا وہی ان کی رسوائی کا باعث بنی۔ بادشاہ کو خبر ملی کہ جن فقہا اور محدثین نے مسئلہ خلقِ قرآن کا اقرار کیا ہے انہوں نے یا تو تقیہ کیا ہے یا آیت الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان کی آڑ لی ہے۔ ان لوگوں نے سچے دل سے اسکو قبول نہیں کیا ہے پھر کیا تھا غضبناک ہو کر فرمان نافذ کیا کہ ان سب کو گرفتار کر کے دربارِ شاہی میں بھیجا جائے حکم کی تعمیل کی گئی مگر ابھی یہ لوگ راستے ہی میں تھے کہ حسنِ اتفاق سے خبر پہنچی کہ مامون کا انتقال ہو گیا جس سے سب کی رہائی ہوئی۔

حضرت امام قید و بند میں

مامون کو اس مسئلہ میں جس درجہ کا غلو تھا اس کا ثبوت صرف اس ایک واقعہ سے ملتا ہے کہ مرتے وقت وصیت کر گیا کہ ہمارے بعد جو کوئی ہمارا جانشین ہو اس کا فرض ہے کہ فقہا اور محدثین سے مسئلہ خلق قرآن کا اقرار کرائے۔

معتصم مامون کے بعد اس کا جانشین ہوا جس نے وصیت نامہ کی تعمیل میں کوئی کسر اپنی طرف سے باقی نہیں رکھی جب یہ [illegible] ہوا تو اس کے سامنے ایک ذات ایسی تھی جو اپنے اندر مرکزیت کی ساری شان

رکھتی تھی اور وہ ذات حضرت امام احمد بن حنبل رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تھی اسلیئے معتصم کی ساری شاہی قوت بھی انہیں کی تعذیب کیلیئے سمٹ کر آگئی اس نے جس قدر مبالغہ آپ سے اس مسئلے کے منوانے میں کیا آپ نے اسی قدر سختی سے اس کا انکار کردیا۔ نتیجہ صاف ظاہر تھا پہلے تو آپ قید کر دیئے گئے، چار چار بوجھل بیڑیاں پاؤں میں ڈال دی گئیں جس سے ہلنا دشوار تھا اس پر یہ ستم کہ اسی حالت میں خود ہی اونٹ پر سوار ہوں اور آپ ہی اتریں بھی۔

بادشاہ کا ان سب سختیوں سے ایک ہی مقصد تھا کہ آپ حق سے دست بردار ہو جائیں اور آپ کا بھی ان سختیوں کو خوشی خوشی برداشت کرلینے سے ایک ہی مدعا تھا کہ چاہیے جو کچھ بھی ہو جائے مگر حق ہاتھ سے نہ جانے پائے اور امام موصوف پر خدا کی بیشمار رحمتیں ہوں کہ ایک مرتبہ جس چیز کو آپ نے لے کر لیا تھا سلطنت کی کوئی طاقت بھی اس میں سر مو فرق نہ کر سکی

مناظروں کا حال

آپ اسی حالت میں طرطوس تک پہنچا سے گئے اور متعدد قید خانوں میں قید کیے جاتے رہے کبھی اصطبل میں رکھے جاتے اور کبھی تنگ و تاریک کوٹھریوں میں بند کر دیئے جاتے اور یہ بھی ہوتا رہا کہ بار بار مناظر ہوتے رہے جس میں ہمیشہ فریق مخالف کو ہی خاموش ہونا پڑا۔ بادشاہ نے خاص طور پر دو آدمیوں کو مناظرہ کر کی غرض سے بھیجا اُن کا آپ نے اور بھی برا حال کیا۔ آپ نے اُنسے کہا! خدا تعالیٰ کے علم کو مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق انہوں نے کہا غیر مخلوق آپ نے فرمایا کہ تو اسی قول سے تم کافر ہو گئے، کسی نے کہا یہ کیا کہتے ہو یہ بادشاہ کے بھیجے ہوئے ہیں۔ فرمایا ہاں! یہی بادشاہ کے بھیجے ہوئے کافر ہو گئے ہیں!

جب اس طرح کے مناظروں سے کام نہ چلا تو معتصم نے حکم دیا کہ ہمارے سامنے لائے جائیں۔ حاکم بغداد نے ایک مرتبہ پھر سمجھایا کہ اب اگر اقرار نہ کرو گے تو بادشاہ نے قسم کھائی ہے کہ ہر روز آپ کو کوڑے لگوائے جائیں گے یہاں تک کہ آپ مسئلہ خلق قرآن کا اقرار کر لیں یا اسی عذاب میں مبتلا رہکر مر جائیں۔ حاکم تے

یہ بھی کہا اِنَّا جَعَلْنٰہُ قُرْآنًا عَرَبِیًّا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ قرآن مجعول ہو اور مخلوق نہ ہو۔ حضرت امام رضؓ نے جواب میں فرمایا کہ حق تعالیٰ کا ارشاد فَجَعَلَہُم کَعَصفٍ مَاکُول بھی ہے۔ کیا یہاں جعل کے معنے تخلیق کے صادق آتے ہیں جعل اور خلق ہرگز مترادف نہیں ہو سکتے بے چارے حاکم کی اس سے آگے کیا رسائی ہو سکتی تھی اس لئے آپ معتصم کے پاس بھیج دیئے گئے۔

رات بھر آپ قید میں رہے صبح کو بادشاہ نے اپنے سامنے بلایا۔ چار بیڑیوں کو سنبھال کر چلنا مشکل تھا اور کوئی چیز نہ تھی جس سے ان کو باندھا جاتا۔ آپ نے پائجامہ سے ازار بند نکالکر ان کو اکٹھے کیا اور پائجامے کو گرہ دے لی اس حال میں کسطرح افتاں خیزاں بادشاہ کے روبرو پہنچے۔ خلق کا ہجوم تھا جس میں معتزلہ کے علماء اور سرداریں کثرت سے تھے۔ بادشاہ نے اپنے پاس آپ کو جگہ دی۔ بیڑیوں کی مشقت سے تھوڑی دیر دم لے کر آپ نے خود ہی بادشاہ سے پوچھا۔

امام احمد بن حنبلؒ ! مجھے کچھ کہنے کی اجازت ہے ؟

معتصم باللہ ! ہاں جو کچھ کہنا ہو کہو۔

امام احمد بن حنبلؒ ! خدا تعالیٰ بندوں کو کس چیز کی طرف بلاتا ہے !

معتصم باللہ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی طرف۔

امام احمد بن حنبلؒ ! میں لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہ کی شہادت دیتا ہوں !

معتصم باللہ ! اگر میں تمہیں اپنے سے پہلے بادشاہ کے قید میں نہ پاتا تو ہرگز تعرض نہ کرتا اس کے بعد عبدالرحمن بن اسحاق کی طرف دیکھکر کہا کیوں میں نے نہیں کہا تھا کہ ان پر سختی نہ کی جائے اس نے کہا یا امیر المومنین درحقیقت اُن کی تعذیب مسلمانوں کی آسانی کا سبب ہے۔ معتصم باللہ نے کہا اچھا مناظرہ کرو۔

عبدالرحمن بن اسحاق ! قرآن کو تم مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق۔

امام احمد بن حنبلؒ ! اللہ تعالیٰ کے علم کو تم مخلوق کہتے ہو یا غیر مخلوق اس جواب سے عبدالرحمن بن اسحاق

لاجواب ہو چکا تو ہر طرف سے دلائل و اعتراضات ہونے لگے اور آپ سب کو جواب دیتے گئے یہاں تک کہ سب لاجواب ساکت ہو گئے۔ مگر اس سے کیا ہو سکتا تھا۔ کوشش تو اس امر کی تھی کہ آپ خواہ مخواہ بھی ان کے ہمنوا بن جائیں یہ چاہتے تھے کہ قطب اپنی جگہ سے ہل جائے اور مرکز عالم اپنے مقام سے ٹل جائے مگر ایسا نہیں ہو سکتا تھا۔

تیسرے روز ایک نہایت عظیم الشان دربار منعقد کیا گیا جس میں مسلح فوج ایک طرف اور دوسری طرف جلاد کوڑے لئے ہوئے کھڑے تھے۔ اس وقت آپ قید خانے سے لائے گئے۔ معتصم کے کہنے سے خاص خاص لوگوں نے آپ سے پھر مناظرہ شروع کیا مگر ان کا بھی وہی انجام ہوا جو ان کے پیشرووں کا ہو چکا تھا۔ بادشاہ معاملہ کے اس قدر طول کھینچنے سے گھبرا گیا تھا اور ادھر ابن دواد سرگروہ معتزلہ یہ کہہ کر اکسا رہا تھا کہ یہ شخص گمراہ اور گمراہ کن بدعتی ہے۔ یا امیر المومنین آپ اس کو قتل کر دیجئے اس کا خون ہماری گردن پر ہے۔

حضرت امامؒ کوئی معمولی عظمت کے آدمی نہ تھے، بادشاہ بھی اس کو خوب سمجھ رہا تھا مگر سلطنت کے رعب و وقار کا خیال دامنگیر تھا اور سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کیا کرے۔ آپ کو ہٹا دیا اور خاص خاص لوگوں سے تخلیہ میں گفتگو کی پھر سب کو الگ کر کے حضرت امامؒ سے کہا اے احمد تم اقرار کر لو تو میں ابھی تمہیں رہا کر دیتا ہوں۔ آپ نے بار بار جس کلمہ کو دہرایا تھا پھر اسی کو زبان پر لائے کہ میں بغیر قرآن و حدیث کے کوئی بات نہیں مان سکتا۔

حق کی پشت پناہ پیٹھ پر کوڑے

اب معتصم باللہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہو چکا تھا غصہ ہو کر آواز دی کہ اس کو کھینچو اور لباس اتار کر کوڑے لگاؤ۔ پھر حالت غیظ میں اپنے مقام سے اٹھکر کرسی پر آ بیٹھا اور کوڑے والوں کے کوڑے دیکھکر دوسرے کوڑے لانے کو کہا جب دوسرے کوڑے پسند آگئے تو جلادوں کو حکم دیا کہ خوب زور سے اس کو مارو ایک شخص آگے بڑھا اور پوری قوت سے دو کوڑے مار کر ہٹ گیا۔ پھر دوسرا جلاد آیا اور اس نے بھی دو کوڑے اسی طرح مارے۔ اسی طرح نوبت بنوبت کوڑے مارنے والوں نے اپنی پوری طاقت سے دو دو کوڑے مارے۔ جب

انتیس کوڑے مارے جا چکے تو معتصم باللہ کو شاید کچھ رحم آ گیا اور آپ کے پاس آ کر کہنے لگا! یا احمد واللہ انی علیک لشفیق وانی لاشفق علیک شفقتی علی ابنی، واللہ لئن اجبتنی لاطلقن عنک بیدی، ماتقول؟ اے احمد خدا کی قسم میں تم پر اپنے بیٹے سے زیادہ شفقت رکھتا ہوں اگر تم خلق قرآن کا اقرار کرو تو خدا کی قسم اپنے ہاتھوں سے تمہارے پاؤں کی بیڑیاں کھول دوں، کہو کیا کہتے ہو؟ آپ نے اس وقت بھی یہی کہا۔! اعطونی شیئا من کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ۔ اے معتصم خدا کی کتاب یا رسول اللہ کی حدیث سے اس کا کوئی ثبوت پیش کیا جائے تو میں اقرار کر دوں!

معتصم سنتا اور مجبور ہو کر معتزلہ کے علماء قاضی ابن دواد وغیرہ کو مخاطب کرتا اور کہتا ناظروہ وکلموہ ان سے بحث وگفتگو کرو۔ اور جب وہ اپنی عقلی دلیلیں پیش کرتے تو آپ ارشاد فرماتے ما ادری ما ہذا، میں نہیں جانتا یہ تمہاری عقلی دلیلیں کیا بلا ہیں، اعطونی شیئا من کتاب اللہ و من سنۃ رسول اللہ حتی اقول۔ اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول کے قول سے کوئی دلیل پیش کرو تو میں بھی وہی کہوں جو تم کہتے ہو۔

آپ کے انکار اور اصرار کے بعد ہر طرف سے سختیاں شروع ہو گئیں، کوئی تلوار کے قبضہ سے مار کر کہتا! کیا تو اتنے لوگوں پر غالب آ جائیگا؟ کوئی کہتا امیرالمومنین کی بات کو تو نہیں مانتا، اور کوئی کہتا کہ تیرے رفقاء میں سے کسی نے ایسا نہیں کیا جو تو کر رہا ہے۔ ادھر ابن دواد غصہ دلانے کے لئے کہہ رہا تھا! امیرالمومنین آپ روزہ سے ہیں اور اس شخص کی وجہ سے دھوپ میں کھڑے ہوئے ہیں، اس کو قتل کر ڈالیے اس کا خون میری گردن پر ہے، معتصم نے پھر کہا! اے احمد کچھ تو کہو تاکہ تمہارے رہا کرنے کا کوئی حیلہ ہاتھ آئے لیکن آپ کا پھر وہی ایک جواب تھا کہ کوئی آیت یا حدیث بتلائیے تو قبول کر لیتا ہوں،

اللہ اللہ آپ کا یہ قول اپنی جگہ پر کس طرح سے ہمالیہ پہاڑ کی طرح مضبوط ہے کہ لاکھ ہوا کے تھپیڑے آئے لیکن اپنی جگہ سے جنبش بھی تو نہ ہوئی، آپ کے سامنے یہ دونوں چیزیں تھیں کہ اگر خلق قرآن کا اقرار نہ فرمالیں تو شاہی عقوبات سے دنیا کی کوئی طاقت نہ بچا سکے گی اور ساتھ ہی یہ بھی کہ اگر اقرار کر لیا

تو آپ سے بڑھکر مراسمِ خسروانہ کا بھی کوئی حقدار نہ ہوگا۔

ایک طرف تو یہ تھا اور دوسری طرف یہ کہ ایک مرتبہ آپ کا "ہاں" کہدینا اہلِ حق کے واسطے قیامت تک کے لیے سوہانِ روح اور ایک بُری مثال بن جاتا۔ اور اگرچہ آپ اپنی چند روزہ زندگی میں شاہی نوازشات کے مرجع بن جاتے مگر اُمتِ اسلامیہ کیا ساری دنیا کے سامنے جو آپ کی عزت ہے اور جو انعاماتِ خداوندی کے آپ مستحق ٹھہرے ہیں اس سے آپ یقیناً محروم رہ جاتے۔

بادشاہ سے کچھ نہ بن پڑتا تھا، وہ عجیب کشمکش کی حالت میں مبتلا تھا، آخرکار غیظ و غضب کی حالت میں پھر کرسی پر جا بیٹھا اور جلادوں کو زیادہ سختی کے ساتھ کوڑے مارنے کا حکم دیا۔

لکھا ہے کہ جب حضرت امام پر پہلا کوڑا پڑا تو آپ نے کہا "بسم اللہ"، دوسرے کوڑے پر لاحول ولا قوۃ الا باللہ تیسرے کوڑے پر القرآن کلام اللہ غیر مخلوق اور چوتھے کوڑے پر لن یصیبنا الا ما کتب اللہ لنا۔ علیٰ ہذا القیاس اسی طرح موقع موقع کی آیت کوڑے کی ہر ضرب پر تلاوت فرماتے رہے اسی اثنا میں پاجامہ کھل گیا اور ناف تک اتر آیا۔ آپ نے آسمان کی طرف دیکھکر کہا "الٰہی اگر تو جانتا ہے کہ میں حق پر ہوں تو میری بے ستری نہ ہو۔" پاجامہ وہیں رُک گیا۔ پھر جب سختی کے ساتھ پیہم کوڑے پڑنے لگے تو آپ بیہوش ہو گئے اور اس کے بعد بے دردی کے ساتھ آپ کو روندا گیا۔

کہتے ہیں کہ جب تک آپ کو ہوش رہا ہر ضرب پر آپ معتصم باللہ کی خطا کو معاف کرتے رہے، کسی نے اس کا سبب دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ قیامت کے دن کہا جائے کہ یہ شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وصحابہ وسلم کے چچا کی اولاد اور اہل بیت کا دعویدار ہے۔

یہ رمضان المبارک کا اخیر عشرہ تھا جب کہ آپ پر مصائب و آلام کے پہاڑ توڑے گئے، روزے پر روزے تھے اس پر پیٹھ زخموں سے چور چور ہو چکی تھی، بار بار غش آجاتا تھا ایسے وقت میں پیاس کا جو عالم ہوتا ہے اس کا کون اندازہ کر سکتا ہے، سامنے برف دیا ہوا پانی لایا گیا تھوڑی دیر آپ نے اس کو

دیکھا اور واپس فرما دیا۔

ایک شخص نے ستو پیش کیا آپ نے کہا کہ میں روزہ سے ہوں۔ مگر جب نماز کا وقت آیا تو اسی حالت میں نماز ادا کی۔ پینے والے نے کہا آپ نے نماز پڑھی حالانکہ جسم سے خون جاری ہے۔ آپ نے جواب دیا ہاں! حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے بھی ایسا ہی کیا تھا۔

علماء کو آپ کا جواب

حضرت امامؒ جب رقہ میں محبوس تھے تو علماء کی ایک جماعت آپ سے ملنے کو آئی اور اُن روایات کو سنایا جس میں جان کے خوف سے تقیہ کر لینے کی اجازت ہے۔ آپ نے یہ کہہ کر سب کو خاموش کر دیا کہ اس حدیث کی نسبت کیا کہتے ہو جبکہ صحابہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کفار و مشرکین کے ظلم و ستم کی فریاد کی تو آپ نے ارشاد فرمایا کہ تم سے پہلے ایسے لوگ گزر چکے ہیں جن کے سروں پر آرہ چلایا جاتا تھا مگر وہ حق سے نہ ٹلتے تھے۔

آپ پر جس وقت کوڑے پڑ رہے تھے تو وہ علماء بھی کھڑے تماشہ دیکھ رہے تھے جنہوں نے تقیہ سے کام لیا تھا۔ انہوں نے حضرت امامؒ سے کہا! کیا ایسی بات آپ کے ساتھیوں نے بھی کی، جس پر آپ نے جواب دیا۔ یہ کیا دلیل ہے اعطونی شیئاً من کتاب اللہ وسنۃ رسول اللہ حتی اقول

فضیل بن عیاض رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۲۸ ماہ قید رہے اس عرصہ میں تھوڑی تھوڑی مدت کے بعد اس قدر تازیانے پڑتے تھے کہ آپ بیہوش ہو جاتے تھے۔ اس کے علاوہ تلوار سے چرکے لگائے جاتے اور زمین پر ڈال کر پاؤں سے روندتے تھے

جب متوکل خلیفہ ہوا تو اس نے حضرت امام کی مصیبتیں دور کیں اور ان کو اپنے حضور میں بلوایا اور ان کی تعظیم و تکریم کا حکم دیا۔ اور ممالک اسلامیہ میں منادی کرا دی اعتقادات اور سنت کا اظہار کرنے اور قرآن

کے غیر مخلوق ہونے کے بارے میں فرمان جاری کئے اور فرقہ معتزلہ کا گرد ڈھیلا پڑ گیا۔

ابوالہیثم عیار

اس خدائی آزمائش کے زمانے میں ابوالہیثم عیار نے عجیب طرح پر آپ کی ڈھارس بندھائی۔ یہ امام صاحب موصوف کے پاس کھڑا ہوا اور کہنے لگا کہ اے احمد میں ابوالہیثم چور ہوں، مجھے ۱۸ ہزار تازیانے پڑے تاکہ چور ہونے کا اقرار کر دوں مگر میں نے اقرار نہیں کیا، حالانکہ میں جانتا تھا کہ برسرِ حق نہیں ہوں۔ لہٰذا تم تازیانوں کی گرمی سے بچتے رہنا کیوں کہ تم حق پر ہو۔ حضرت امام فرماتے ہیں کہ جب مار سے درد محسوس ہوتا تھا تو اس چور کی بات یاد آجاتی تھی۔ اس کے بعد آپ ہمیشہ اس پر مہربانی فرمایا کرتے تھے۔

حضرت امام فرماتے ہیں کہ جب میں سزائے تازیانہ کے لئے سامنے لایا گیا اور لوگ خلیفہ کے سامنے کھڑے ہوئے تھے تو ایک شخص نے مجھ سے کہا کہ تم اپنے دونوں ہاتھوں سے ٹکٹکی کی دونوں لکڑیوں کے سرے کو تھامے رہنا مگر میں اس کی بات کو نہ سمجھا، اس سبب سے میرے دونوں ہاتھ اکھڑ گئے۔ لوگوں کا بیان ہے کہ مرتے دم تک آپ کو اس کی تکلیف رہی اور کئی سال تک سرین کے گوشت کی بوٹیاں ادھیڑا نوچا جاتا تھا۔

حافظ ابن جوزی محمد ابن اسمٰعیل سے نقل کرتے ہیں: ضرب احمد بن حنبل ثمانین سوطاً لو ضرب بها فیلا لهدمته۔ احمد بن حنبل کو ۸۰ کوڑے ایسے مارے گئے کہ اگر ہاتھی کے بھی مارے جاتے تو چیخ اٹھتا۔

احمد بن غسان کا بیان ہے کہ جب میں امام احمد کے ساتھ مامون کے پاس پکڑا ہوا گیا تو خلیفہ کا خادم ہم سے آکر ملا، اس کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے، وہ ان کو پونچھتا جاتا اور کہتا کہ اے ابو عبداللہ آپ پر جو مصیبت آئی ہے اس کا مجھے سخت صدمہ ہے۔ امیر المومنین نے وہ تلوار نیام سے نکال رکھی ہے جو کبھی نہیں نکالی تھی اور چمڑے کا وہ زیر انداز بچھوایا ہے جو کبھی نہیں بچھوایا تھا اور اس نے

کہا ہے کہ مجھے جو قرابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کے ساتھ ہے اس کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ جب تک یہ دونوں قرآن کو مخلوق نہ کہیں گے میں اپنی تلوار احمد اور اس کے ساتھی سے الگ نہ کرونگا۔

حضرت امام نے خادم کی یہ بات سُنی تو زمین پر اپنے گھٹنے ٹیک دیئے اور آسمان کی طرف دیکھکر دُعا کرنے لگے اور ابھی تہائی رات بھی گزرنے نہ پائی تھی کہ نالہ و شیون کی صدا ہر طرف سے بلند ہوئی اور وہی خادم یہ کہتا ہوا ہماری طرف آیا کہ اے احمد تم نے سچ کہا قرآن اللہ کا کلام غیر مخلوق ہے واللہ امیر المومنین مر گیا۔

آپ مدینہ منورہ کو تشریف لے جا رہے تھے۔ ابھی شہر میں داخل بھی نہیں ہوئے تھے کہ ایک عابد ملا۔ اس نے آپ سے کہا! اے احمد دیکھو تمہارا یہاں آنا مسلمانوں کے لئے منحوس ثابت نہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ان مسلمانوں کا نمائندہ ہونا پسند فرمایا ہے، لوگ انتظار کر رہے ہیں کہ دیکھیں تم اس مسئلے میں کیا کہتے ہو، یاد رکھو جو تم کہو گے یہ بھی وہی کہیں گے آپ نے اس کے جواب میں فرمایا حسبنا اللہ ونعم الوکیل۔ اللہ ہمارے لئے کافی ہے اور وہی اچھا مددگار ہے

حضرت امام نے اس پہلو کو کیوں اختیار کیا

اگرچہ شرعاً جائز ہے کہ جبر و اکراہ کے موقع پر زبان سے کوئی کلمہ کفر کہہ دیا جائے تو مضائقہ نہیں جیسا کہ اس آیت شریف سے ظاہر ہے من کفر باللہ من بعد ایمانہ الا من اکرہ وقلبہ مطمئن بالایمان ولکن من شرح بالکفر صدرا فعلیہم غضب من اللہ ولہم عذاب عظیم۔ اسی وجہ سے اکثر فقہا اور محدثین نے قرآن کے مخلوق ہونے کا زبانی اقرار کر لیا تھا اور امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ بھی اس مسئلہ کو اچھی طرح جانتے تھے باوجود اس کے آپ نے جو انکار کا پہلو اختیار کیا اس کی ایک وجہ یہ تھی کہ اگر کل علماء مصلحتاً خلق قرآن کا اقرار کر لیتے تو عوام الناس اس مصلحت کو تو نہ سمجھتے بلکہ یہ خیال کر لیتے کہ اگر یہ اعتقاد باطل ہوتا

تو کوئی نہ کوئی عالم اس کی ضرور مخالفت کرتا اور یہ مقام صرف حضرت امام کے لیے باقی رہ گیا تھا۔

آپ کا یہ خیال بھی تھا کہ معلوم نہیں یہ طوفان بے تمیزی کب تک رہے گا اگر مدت تک یہی اعتقاد فاسد عوام الناس کے ذہن میں جما رہا تو اہل حق کو آئندہ اس کی اصلاح میں دشواریاں لاحق ہوں گی الغرض یہی اسباب تھے جن کی بنا پر آپ اور آپ کے چند ہم خیالوں نے ہر قسم کی سختیاں برداشت کیں بلکہ جانیں تک دیدیں! ور حق بات کو ظاہر کرتے رہے جس سے تمام مسلمانوں میں یہ بات مشہور ہو گئی کہ یہ مسئلہ دین میں ایسا ضروری اور مہتم بالشان ہے کہ اس کے مقابلہ میں جان بھی کوئی چیز نہیں۔

تلاوت اور متلو کے فرق کو اہل علم خوب جانتے ہیں مگر چونکہ عوام ایسے امور میں فرق نہیں کر سکتے اس لیے دونوں کا ایک ہی حکم قرار دیا گیا تھا تاکہ قرآن کے مخلوق ہونے کا کسی کو خیال تک نہ آئے اور یہ تشدد اسی قسم کا تھا جیسا کہ تحریم خمر کے زمانہ میں ظروف خمر کا استعمال بھی حرام کر دیا گیا تھا۔

باوجودیکہ امام بخاری کی جلالت شان تمام محدثین میں مسلم ہے مگر جب انھوں نے یہ کہا کہ قرآن تو مخلوق ہے مگر اس کا تلفظ کرنا جو انسان کا فعل ہے وہ مخلوق ہے تو اتنی بات پر اس زمانہ کے محدثین ان سے بگڑ بیٹھے اور امام صاحب موصوف کو مستقل ایک رسالہ لکھنا پڑا۔

وفات

سنہ ۲۴۱ھ ہجری میں ۷۷ سال پورے کر کے آپ نے دنیائے پر محن سے دارالامن کو کوچ کیا۔

جب آپ مرض الموت میں مبتلا ہوئے تو آپ کی عیادت کے لیے آپ کے دروازے پر اس قدر آدمی اور ان کی سواریوں کے جانور جمع ہوئے کہ شاہراہیں اور چھوٹی بڑی سب گلیاں بھر گئیں اور جس وقت طائر روح قفس عنصری سے پرواز کر گیا تو ہر طرف سے نالہ و شیون کی صدائیں بلند ہوئیں۔

آپ کے جنازے کی نماز میں اس کثرت سے لوگ شریک ہوئے کہ مردوں کا شمار ۸ لاکھ

اور عورتوں کا ۶۰ ہزار تک پہنچا یا اور جو لوگ راہ ہی راہ دو ہر جانب اور کشتیوں میں ور دکانوں کی چھتوں پر تھے وہ بھی ملائے جائیں تو دس لاکھ سے زیادہ تک تعداد پہنچتی ہے اور ایک روایت میں یہ بھی ہے کہ سب ملاکر پچیس لاکھ آدمی تھے۔

آپ کی وفات کا عجیب اثر تھا اور قلوب اس درجہ متاثر تھے کہ اس دن ۲۰ ہزار یہودی و نصرانی اور آتش پرست مسلمان ہوگئے۔

محمد ابن خزیمہ کہتے ہیں کہ جب امام احمد رضی اللہ عنہ کے وفات کی خبر پہنچی تو مجھے نہایت غم ہوا اُس رات خواب میں دیکھا کہ امام نہایت فاخرہ لباس میں متکبرانہ رفتار سے چلے آرہے ہیں میں نے پوچھا حضرت یہ تبختر کیسا فرمایا دارالسلام میں بندوں کی رفتار کا انداز یہی ہوتا ہے میں نے پوچھا حق تعالیٰ نے آپ کے ساتھ کیا معاملہ کیا؟ فرمایا بخشدیا اور تاج اور لباس فاخرہ پہنا کر فرمایا کہ یہ اس کا بدلہ ہے جو تم نے کہا تھا کہ قرآن میرا کلام غیر مخلوق ہے۔

ابن خزیمہ نے ایک رات بشر حافی رح کو خواب میں دیکھا کہ مسجد رصافہ کے قریب تشریف فرما ہیں اور آپ کی آستینوں میں کوئی چیز چمک رہی ہے دریافت کیا کہ یہ کیا ہے۔ فرمایا کہ شب گذشتہ احمد بن حنبل رح کی روح جب ہمارے پاس آئی تو اس پر موتی اور یاقوت نثار کیے جا رہے تھے یہ وہی ہیں سے میں چن کو میں نے چن لیا ہے۔

حضرت امام کے فضائل

حضرت امام شافعی رح نے مصر میں خواب دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما ہیں اور ارشاد فرماتے ہیں کہ احمد بن حنبل رح کو جنت کی خوشخبری دو کہ وہ ان مصیبتوں کے معاوضہ میں دی گئی جو قرآن کو مخلوق کہلانے کی غرض سے ان پر ڈھائی گئی اور ان سے کہدو کہ وہ ہرگز اس کے قائل نہ ہوں بلکہ صاف کہدیں کہ قرآن غیر مخلوق نازل کیا گیا ہے۔

حضرت امام شافعی نے اسی روز یہ واقعہ لکھ کر ایک خاص شخص کے ذریعے آپ کے پاس بغداد میں روانہ کیا۔ حضرت امام نے اس خط کو دیکھا ما شاء اللہ لا حول ولا قوۃ الا باللہ پڑھا اور نامہ بر کو بطور انعام کے اپنے جسم سے قمیص اتار کر دیا۔ امام شافعیؒ کو جب قمیص کا حال معلوم ہوا تو اس شخص سے فرمائش کر کے اس کا دھوون طلب کیا اور اپنے تمام جسم پر ملا۔

کہتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے آپ کے پاس ایک فقیر کو بھیجا اس نے کہا کہ اے احمد تو نے جو خدائے عزوجل کے کلام کے لئے اپنی جان پر مصیبت برداشت کی اس سے آسمان کے رہنے والے اور عرش کے ارد گرد والے تجھ سے خوش ہیں۔

ابراہیم بن مصعب کوتوال کہتا تھا یومئذ ما تحت فی عینہ الا کامثال الذباب آج ہم حکام وقت ان کی نگاہوں میں مکھیوں کے برابر بھی وقعت نہیں رکھتے۔

اور اسی کا قول ہے ایسے میں نے کسی انسان کو بادشاہوں کے سامنے احمد بن حنبلؒ سے زیادہ نڈر اور بارعب نہیں پایا۔

بشر بن الحارث رضی اللہ عنہ کا قول ہے کہ امام احمدؒ کا امتحان بھٹی میں ڈال کر کیا گیا اور وہ اس بھٹی سے کندن ہو کر نکلے۔

ہشیم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام احمد رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے لوگوں کے لئے اللہ تعالیٰ کی حجت تھے۔

بشر حافیؒ کا قول ہے "قام احمد مقام الانبیاء" احمد بن حنبلؒ نے انبیاء کی قائم مقامی کی۔

آپ کے عادات خصائل

آپؒ کہتے ہیں کہ میں نے رب العزت کو خواب میں دیکھا اور اس سے پوچھا کہ اے میرے رب وہ کون سی

چنیں ہے جس سے تیری قربت ڈھونڈنے والے اپنی مراد کو پہنچیں، ارشاد ہوا کہ اے احمد میرا کلام۔

آپ ہر روز و شب میں کلام اللہ شریف کا ایک ختم کیا کرتے تھے اور اس کو لوگوں سے پوشیدہ رکھا کرتے تھے۔

سنت کی پیروی اور بدعت سے پرہیز کرنے میں ضرب المثل تھے رات کے قیام کو کبھی ترک نہ کرتے تھے اور یہ آپ کے بچپن کی عادت تھی۔

ابو عصمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک رات کو میں امام احمد رضی اللہ عنہ کے پاس رہا تو آپ نے میرے پاس پانی لاکر رکھ دیا اور جب صبح کو جوں کا توں پایا تو کہا سبحان اللہ جو شخص علم کا طالب ہو اس کا رات کا کوئی وظیفہ نہ ہو؟

صحت کی حالت میں پہلے آپ ہر شب میں تین سو رکعتیں پڑھتے تھے مگر جب کوڑوں سے پٹے تو بدن کمزور ہو گیا اسلئے رات اور دن میں ڈیڑھ سو رکعتیں پڑھنے لگے۔

آپ کی مجلس عاقبت کیلئے مخصوص تھی اور آپ کہا کرتے تھے نصیب اس شخص کے جسکو اللہ تعالیٰ گمنام کر دے جب راستے میں چلتے تھے تو کسی کو اپنے ساتھ نہیں چلنے دیتے تھے۔ جب بیمار ہوئے اور قارورہ طبیب کے پاس گیا تو اسنے دیکھکر کہا یہ ایسے شخص کا قارورہ ہے جسکے جگر کو فکر و غم نے ٹکڑے کر دیا ہے۔

آپ غایت درجہ کے تنہائی پسند تھے مسجد یا جنازہ، یا بیمار پرسی کے سوائے کہیں کسی کی نظر نہ پڑتی تھی اور بازار میں چلنے کو برا سمجھتے تھے۔

صاف ستھرے کپڑے پہنتے تھے جسم کو اور مونچھوں اور سر کے بالوں کو پاکیزہ اور صاف رکھتے تھے کھانے پینے میں کوئی اہتمام نہ تھا بلکہ نہایت معمولی چیزوں پر اکتفا فرماتے، روٹی کے سوکھے ٹکڑوں کو صاف کرکے ایک پیالہ میں رکھتے اور اوپر سے پانی ڈالتے اور جب وہ بھیگ جاتی تو نمک سے کھا لیتے۔

آپ کی والدہ کے پاس کپڑے نہ ہوتے اور ایسے وقت میں کوئی لڑکا پیدا ہوتا تو اسکو یہ کہکر لپیٹ دیا جاتا کہ لوگوں کے میل سے ہماری عریانی بہتر ہے۔ آپ گھر میں تھوڑے دن رہتا اور پھر کوچ کر جاتا۔

خـــالی صفحـــه

معنی دار قرآن مجید

مع

بچوں کی تفسیر

آٹھ روپے

معنی دار پارۂ عم

مع

بچوں کی تفسیر

ایک روپیہ

ملنے کا پتہ تحریک قرآن اکیڈمی حیدرآباد دکن